سالانہ زرتعاون

ہندوستان	۲۲۰/روپے۔ فی شمارہ ۲۰/روپے۔	رجسٹرڈ ڈاک ۴۴۰/روپے
پاکستان، بنگلہ دیش ونیپال	۷۶۰/روپے	رجسٹرڈ ڈاک ۹۴۰/روپے
دیگر ممالک	۸۸۰/روپے	رجسٹرڈ ڈاک ۱۰۶۰/روپے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۰۰۰/روپے میں دستیاب ہے

(اوپر کی رقوم ہندوستانی روپے میں دی گئی ہیں)

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

مقالہ نگار حضرات سے التماس

- مقالہ صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔
- حواشی مقالے کے آخر میں دیئے جائیں۔
- ماخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں: مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سن اشاعت، جلد یا جز اور صفحہ نمبر۔

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۸۲ ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۲۰۰۸ء عدد ۶

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

ریاستہاء متحدہ امریکہ کے باشندوں نے ۴؍نومبر کو منعقد ہونے والے انتخابات میں اس ملک کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور اگلے چار سالوں کے لیے دنیا کے سب سے طاقتور ملک کی باگ ڈور ایک افریقی امریکی بارک اوبامہ کے ہاتھ میں سونپ دی۔ یہ الیکشن تبدیلی (Change) کے نام پر لڑا گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں امریکہ کی داخلی اور خارجی پالیسیوں میں کیا تبدیلیاں آئیں گی یہ تو وقت ہی بتائے گا البتہ سیاہ فام نسل کے ایک فرد کا امریکہ کا صدر منتخب ہو جانا بجائے خود اتنی بڑی تبدیلی ہے، جس کا چند سال پہلے تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو لوگ امریکہ کے سیام فام باشندوں کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا کے اس سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک میں جسے حقوق انسانی کی علم برداری کا بھی دعوا ہے، ابھی ماضی قریب تک آبادی کا ایک بڑا حصہ بنیادی انسانی حقوق سے یکسر محروم تھا۔ امریکہ میں غلامی کا رواج تقریباً اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا جب سترہویں صدی کی ابتدا میں انگریز نوآبادکاروں کے پہلے قافلے اس کے ساحل پر اترے۔ اس وقت سے ۱۸۶۵ء تک ریاستہاء متحدہ امریکہ کی حدود سلطنت میں غلامی قانونی طور پر ایک تسلیم شدہ ادارہ تھی۔ ۱۸۶۱ء میں شروع ہونے والی خانہ جنگی (Civil War) کا بنیادی سبب غلامی کے خاتمہ کی تحریک تھی۔ یہ جنگ امریکہ کے سولہویں صدر ابراہام لنکن کی قیادت میں لڑی گئی اور ان ہی کی کوششوں سے ۱۸۶۵ء میں امریکی دستور میں تیرہویں ترمیم کے ذریعہ ملک سے غلامی کا خاتمہ ہوا۔ اسی وجہ سے وہ ایک قاتلانہ حملے کے شکار ہوئے۔ اس سلسلہ میں یہ بات دل چسپی سے خالی نہیں کہ ابراہام لنکن ری پبلکن پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والا پہلا صدر تھا۔ اس ترمیم کے بعد قانونی طور پر تو غلامی کا خاتمہ ہو گیا لیکن زمینی حقائق میں چنداں فرق نہیں آیا۔ جم کرو مجموعہ قوانین (Jim Crow Laws) کے تحت تمام عوامی جگہوں، بسوں اور ٹرینوں میں، خاص طور سے جنوبی ریاستوں میں، گوروں اور کالوں کے لیے علاحدہ جگہیں متعین ہوتی تھیں۔ بے شمار تعلیم گاہوں کے دروازے کالوں کے لیے بند تھے۔ امریکی افریقی باشندوں کے لیے یکساں حقوق کے حصول کی طویل اور صبر آزما جدوجہد میں مارٹن لوتھر کنگ کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے ۲۸؍اگست ۱۹۶۳ء کو ابراہام لنکن میموریل کی سیڑھیوں سے اپنی تاریخی تقریر "I have a dream" میں ایک ایسے امریکہ کا خواب دیکھا تھا جہاں کالے اور گورے تمام

باشندگان ملک کو یکساں حقوق اور مواقع حاصل ہوں۔ کچھ ہی دنوں بعد صدر جان ایف کینیڈی کے دور صدارت میں ۱۹۶۴ء میں Civil Rights Act پاس ہوا۔ اس طرح امریکہ کی افریقی آبادی کو قانونی طور پر یکساں حقوق حاصل ہو گئے لیکن عملاً وہ زندگی کے بہت سے میدانوں میں اب بھی امتیاز کا شکار ہیں، چنانچہ ایک افریقی امریکی کا بہ حیثیت صدر انتخاب بلاشبہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔

اس انتخاب سے عالمی سیاسی منظر نامہ میں بجا طور پر دوررس اہمیت کی حامل تبدیلیوں کی توقع کی جا رہی ہے۔ ان تبدیلیوں کی نوعیت کیا ہوگی اور عالمی صورت حال پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوں گے، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ یہ ضرور ہے کہ طویل انتخابی عمل کے دوران اور اب صدر منتخب ہو جانے کے بعد وہ مختلف موضوعات اور مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ ان کی روشنی میں داخلی اور خارجی مسائل کے سلسلہ میں ان کے نقطہ نظر، انداز فکر اور ترجیحات کا کسی قدر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے بیانات کی روشنی میں جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ گوانتانا موبے کے بدنام زمانہ عقوبت خانہ کو بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عراق سے امریکی فوجوں کی واپسی ابتدا ہی سے ان کی ترجیحات میں شامل ہے لیکن ابھی تک یہ پوری طرح واضح نہیں ہے کہ اس کے بعد عراق کی تعمیر نو کے سلسلہ میں ان کی پالیسی کے خد و خال کیا ہوں گے۔ ایران سے وہ براہ راست بات چیت کرنا چاہتے ہیں لیکن اسے اپنا نیوکلیائی پروگرام جاری رکھنے کی اجازت دینے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں۔ اسے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اسرائیل کے لیے ایک خطرہ کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔ فلسطین کے سلسلہ میں وہ سعودی تجویز کے حق میں نظر آتے ہیں۔ یہ تجویز ۲۰۰۲ء سے سرد خانے میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بنیادی نکات یہ ہیں کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس چلا جائے اور گولان کی پہاڑیاں شام کے حوالہ کر دے۔ فلسطینی مشرقی یروشلم میں اپنا دارالسلطنت بنا سکیں گے لیکن ۱۹۴۸ء کے فلسطینی مہاجرین کی واپسی کے بارے میں آخری فیصلہ اسرائیل کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس منصوبہ کو کدیمہ پارٹی کی رہنما زی پی لیونی (Tzipi Livini) کی حمایت حاصل ہے۔ شمعون پیریز نے بھی اقوام متحدہ میں اپنی حالیہ تقریر میں اس کی حمایت کی ہے۔ اسرائیل میں جلد ہی انتخابات ہونے والے ہیں چنانچہ اس منصوبہ کی کامیابی کا انحصار بہت کچھ اس بات پر بھی منحصر ہے کہ اس میں کون سی پارٹی حکومت بنانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اوبامہ کے اب تک کے بیانات سے تو یہی ظاہر ہوتا

ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی اسرائیل کو امریکہ کی غیر مشروط حمایت حاصل رہے گی۔ جہاں تک افغانستان کا معاملہ ہے تو قرائن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ افغان قوم کو اپنی حریت پسندی کی مزید قیمت ادا کرنی ہے اور وہاں کے حالات میں کسی بہتری کی امید ابھی قبل از وقت ہے۔ اس وقت جب کہ ناٹو کے اعلا کمانڈر افغانستان میں فوجی کارروائی کی ناکامی کا برملا اعتراف کررہے ہیں، بارک اوبامہ وہاں نہ صرف مزید افواج بھیجنے کی بات کرتے ہیں بلکہ پاکستان کی سرحدوں کے اندر تک طالبان اور القاعدہ کا پیچھا کرنے کے عزم کا بار بار اظہار بھی کرتے ہیں۔

نومنتخب صدر نے بڑی حد تک اپنی ٹیم کا انتخاب کرلیا ہے۔ اس میں مختلف نظریات اور خیالات کے حامل افراد شامل کیے گئے ہیں۔ معیار انتخاب مبینہ طور پر ذاتی لیاقت اور صلاحیت ہے۔ بعض مبصرین نے اسے اضداد پر مشتمل ٹیم قرار دیا ہے۔ ان انتخابات میں یہ بات مضمر ہے کہ انہیں اپنے اوپر اعتماد ہے کہ وہ ان مختلف الخیال افراد کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے اور انہیں ایک منظم ٹیم کی حیثیت سے مربوط کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ورنہ وہ صدارتی امیدواری کی اپنی شدید مخالف ہلاری کلنٹن اور موجودہ وزیر دفاع رابرٹ گیٹس کو اپنی ٹیم میں شامل نہ کرتے۔ مزید براں تبدیلی کی تمام تر باتوں کے باوجود ان کی ٹیم کے متعدد افراد انتہاپسندانہ صہیونی نظریات کے حامل یہودی ہیں یا امریکہ کی نہایت طاقت ور اسرائیلی لابی AIAPC کے زیر اثر ہیں۔ اسرائیل کے ساتھ خصوصی رشتوں اور اس کے لیے غیر مشروط اور غیر متزلزل مدد اور حمایت کا موقع بے موقع اقرار، اظہار اور اعلان ویسے ہی کیا جارہا ہے، جیسے اب تک ہوتا رہا ہے۔ بارک اوبامہ نے اپنی ٹیم کی تشکیل کے سلسلہ میں جو پہلا انتخاب کیا اس سے ان اندیشوں کو تقویت ملتی ہے کہ فلسطین کے سلسلہ میں آنے والی حکومت کا موقف شاید گذشتہ حکومت سے بہت زیادہ مختلف نہ ہو۔ نئے صدر کے چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے راحم عمانویل (Rahm Emanuel) کے انتخاب پر امریکہ اور اسرائیل کے صہیونیوں نے جس طرح اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا ہے، اس سے صورت حال کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ راحم عمانویل اپنے صہیونی نظریات کے لیے معروف ہے۔ اس کے والد بنجامین عمانویل بدنام زمانہ یہودی دہشت گرد تنظیم IRGUN کے رکن تھے۔ اس تنظیم کے کارناموں میں دیریاسین کا قتل عام شامل ہے۔ ان سب کے باوجود ابھی اس ابتدائی مرحلہ میں کوئی انتہائی رائے قائم کرنا شاید مناسب نہ ہو، انتظار کرنا اور دیکھنا چاہیے کہ وقت کے پردے سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

مقالات

قرآن عظیم اور کائناتی مخلوق

خارج از زمین مخلوقات کی کثرت پر جدید اعجازی قرآنی بصائر

مولانا سعید الرحمان ندوی

قرآنی نقطۂ نظر سے صرف ہمارے ایک آسمان میں بلکہ دیگر چھ آسمانوں یا کائناتوں میں بھی اس قدر محیر العقول تعداد میں زمینیں ثابت ہورہی ہیں تو انسانی دل و دماغ میں فطری طور پر یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آخر ان سب کی تخلیق کا خدائی مقصد کیا ہوسکتا ہے؟ اس وقت خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رہے کہ قرآن حکیم میں کہیں بھی ان لاتعداد زمینوں کے مقابلے میں ہماری موجودہ زمین کی کوئی خصوصی حیثیت یا برتر نوعیت تسلیم نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کی نظر میں ساری ہی زمینیں ایک جیسی ہیں اور سب کے لیے ایک ہی میزان مقرر ہے نیز جب کتاب الٰہی میں زمینوں کی اس کثرت کو متقدمین سے مستور الحال رکھ کر دور حاضر میں ہم متاخرین پر اس قدر حکیمانہ اور منظم اور نہایت اعجازی طور پر ظاہر کیا جارہا ہے تو یہ سوال واقعی اہمیت و افادیت کا بھی حامل ہوجاتا ہے، لہٰذا اب ہم اسی منبع علم و دانش اور رشد و ہدایت کا از سر نو جائزہ لے کر اس سلسلے کے محکم بیانات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جس سے اس عظیم منصوبہ بندی میں پنہاں حکمت الٰہی خود بہ خود جلوہ افروز ہوجائے گی، چنانچہ کتاب الٰہی اس تعلق سے اپنی ہدایت کی ابتدا دو پرزور اعلانات کے ذریعے اس طرح کرتی ہے:

۱- وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ — آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے، ہم نے انہیں بے مقصد نہیں پیدا

ناظم، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور۔

كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص:۲۷)

کیا ہے، یہ تو کافروں کا خیال ہے، سو کافروں کے لیے ہلاکت ہے، جو آگ ہے۔

۱- وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (دخان:۳۸)

آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے، ہم نے انہیں کھیل کود میں نہیں پیدا کیا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ مضامین میں مدلل طور پر ثابت کیا جاچکا ہے، یہاں (السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا) اور (السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا) دونوں ہی ترکیبیں ساتوں آسمانوں اور ان میں موجود ساری زمینوں پر دلالت کرنے والی ہیں، چنانچہ ان آیات کا صریح مطلب یہ ہوا کہ باری تعالیٰ نے سارے آسمانوں اور ساری زمینوں کی تخلیق با معنی طور پر اور ایک خاص مقصد کی خاطر کی ہے، یعنی صرف یہی ایک زمین نہیں بلکہ کائنات کی ہر زمین کی پیدائش میں بھی اس کی کوئی گہری منصوبہ بندی اور عظیم حکمت و مصلحت کارفرما ہے، چنانچہ (ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) خبر دے رہا ہے کہ آسمانوں یعنی کائناتوں کی بے مقصد یا از خود تخلیق (theory of spontaneous creation) کا تصور اہل کفر ہی کا شیوہ ہے، اب تخلیق کا یہ خدائی مقصد کیا ہوسکتا ہے، کتاب الٰہی اس کی ابتدا اس طرح کرتی ہے:

۲- وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ (شوریٰ:۲۹)

اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہے اور وہ جاندار بھی جنھیں اس نے دونوں میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر قادر بھی ہے۔

اس آیت میں (السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ) کی ترکیب سے ایک اور مرتبہ پتہ چل رہا ہے کہ یہاں بھی ساتوں آسمان اور ان میں موجود ساری ہی زمینیں مراد ہیں، لہذا اس ربانی ارشاد کے ذریعے صریح ترین الفاظ میں یہ حقیقت ظاہر ہورہی ہے کہ ساتوں آسمانوں کی ساری ہی زمینوں میں (دَآبَّةٌ) کو پھیلا دیا گیا ہے، اب (دَآبَّةٌ) سے کیا مراد ہوسکتا ہے، اس کی تفسیر قرآن مجید ہی میں ایک اور مقام پر اس طرح کی گئی ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ...... (نور:۴۵)

اللہ نے ہر جاندار کو ایک خاص پانی سے پیدا فرمایا ہے، سو ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل رینگتا ہے تو کوئی دو پیروں سے چلتا ہے اور کوئی چار پیروں سے، اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔

اس طرح خود قرآن مجید ہی کی رو سے (دَآبَّةٌ) سے مراد ہر وہ جاندار ہوا جو چاہے رینگنے والا ہو یا دو یا چار پاؤں سے چلنے والا، چنانچہ اس تعریف کے عموم میں اس زمین کے سارے ہی جاندار آجاتے ہیں جن میں دو پاؤں سے چلنے والا انسان بھی شامل ہے، نیز (دَآبَّةٌ) کے مفہوم میں انسان کی شمولیت کی ایک اور دلیل اسی آیت میں اس کے متصل بعد والا فقرہ (وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ) بھی ہے جس میں موجود ضمیر جمع مذکر غائب جو صرف ذوی العقول کے لیے آتی ہے، وہ (دَآبَّةٌ) ہی کی جانب لوٹ رہی ہے، عربی زبان کے قاعدے کے مطابق جب کسی لفظ کی مراد میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں جمع ہوجائیں تو اس لفظ کو بہ وجہ تغلیب اول الذکر ہی پر محمول کیا جاتا ہے، اسی طرح موجودہ سورۂ نور والی آیت میں بھی یہی ضمیر جمع مذکر غائب تین جگہوں پر (دَآبَّةٌ) ہی کی جانب لوٹ رہی ہے، اب حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو جو صاف سیدھے اور راست طور پر انسان کو (دَآبَّةٌ) قرار دینے والی ہے:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (انفال:۵۵)

یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا تو وہ ایمان نہیں لاتے ہیں۔

مزید برآں اکثر متقدم مفسرین کے نزدیک بھی (دَآبَّةٌ) کے مفہوم میں انسان کا وجود مسلم رہا ہے، ان میں پیش پیش تفسیر بالماثور کے ممتاز مفسر حافظ ابن کثیرؒ ہیں، جنھوں نے سورۂ شوریٰ والی آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے نہایت واضح الفاظ میں انسان اور ملائکہ کا وجود آسمانوں کے اطراف واکناف میں بھی تسلیم کیا ہے:

وهذا يشمل الملائكة والانس

دابہ میں ملائکہ، انسان، جنات اور دیگر

والجن وسائر الحیوانات علی اختلاف أشکالهم وألوانهم ولغاتهم وطبائعهم وأجناسهم وأنواعهم وقد فرقهم فی أرجاء أقطار السماوات والارض

سارے ہی حیوانات اپنی شکلوں، رنگوں، بولیوں، طبیعتوں، انواع اور اجناس کے حسب اختلاف شامل حال ہیں، جنہیں باری تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کے اطراف و اکناف میں بکھیر دیا ہے۔

نیز نقل وروایت ہی پر مبنی تفسیر کے دیگر دو نام ور ائمہ طبریؒ اور سیوطیؒ اور امام قرطبیؒ نے بھی مشہور تابعی مفسر مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد انسان اور ملائکہ ہو سکتے ہیں جب کہ امام لغت وادب زمخشریؒ، امام تفسیر معقول ومنقول رازیؒ، امام عقائد نسفیؒ اور ابوحیانؒ وغیرہ نے اس سے الگ الگ اقسام کے وہ جان دار مراد لیے ہیں جو آسمانوں میں انسان ہی کے مانند چلنے پھرنے والے ہوں:

لا یبعد أن یقال انه تعالی خلق فی السماوات انواعا من الحیوانات یمشون مشی الأناسی علی الارض

یہ کہنا کچھ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں بھی انواع واقسام کے ایسے حیوانات پیدا کردیے ہوں جو وہاں اس زمین کے انسانوں ہی کے مانند چلتے پھرتے ہوں۔

اس تفصیل سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ آیت کریمہ کی روشنی میں اکثر کبار مفسرین وسلف صالحین کے نزدیک آسمانوں میں جان دار مخلوقات کا وجود ایک متفقہ حقیقت ہے، مگر چوں کہ اس وقت ان جان داروں سے متعلقہ دیگر امور واضح نہیں تھے تو کچھ مفسرین نے اپنے اپنے اجتہادات کے ذریعے ان سے انسان نما حیوانات مراد لیے تو کچھ نے خالص لفظی دلالت کا اعتبار کرتے ہوئے جو کہ فہم قرآن کا اصلی جوہر ہے ان میں راست طور پر انسان کو بھی شامل مانا ہے، یہاں اس حقیقت کا اظہار کردینا بھی نامناسب نہیں ہوگا کہ مذکورہ بالا مفسرین کے نزدیک سورۂ طلاق: ۱۲ کے تحت اس کائنات میں کم از کم سات زمینیں ضرور ثابت تھیں، مگر ان میں سے کسی نے بھی زیر بحث شوریٰ والی آیت کے تحت ساری کائنات میں ثابت ہونے والے

(دآبۃ) کو ان زمینوں کے پس منظر میں نہ دیکھتے ہوئے اسے محض آسمانوں کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے یہ "انسان" اور "انسان نما جانور" کا اختلاف رونما ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ہماری موجودہ تحقیق کے مطابق (السماوات والارض) کی اس ترکیب میں کائنات کی دیگر زمینیں شامل نہیں تھیں، بلکہ اس میں صرف ہماری ایک ہی زمین کو شامل مانا جاتا تھا، چنانچہ اب جب کہ ان آیات کے ذریعے روایت ودرایت دونوں ہی طرح سارے آسمانوں اور زمینوں میں جان دار مخلوقات کا وجود ثابت ہو رہا ہے تو ہم اس موضوع سے تعلق رکھنے والی دیگر آیات قرآنی کا ازسرنو جائزہ لے کر اس آسمانی مخلوق کے متعلق مزید وضاحت کی کوشش کریں گے جس سے متقدمین کے درمیان نظر آنے والا اختلاف بھی اپنے آپ رفع ہوجائے گا:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (نحل:۴۹)

آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی جان دار ہیں وہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور خود ملائکہ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے ہیں۔

یہاں (مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ) کی ترکیب کے ذریعے (دَآبَّةٌ) کا وجود سارے آسمانوں اور زمینوں میں ہونے کی خبر دیتے ہوئے ان کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے معبود حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہونے والی مخلوق ہے، اب سجدے کی حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخلوق عقل مند بھی ہوگی، کیوں کہ غیر ذوی العقول سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے☆، نیز اس وقت یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ یہ آیت کریمہ منصوص طور پر (دَآبَّةٌ) اور (الْمَلٰٓئِكَةُ) کو واو عاطفہ کے ذریعے انہیں دو مختلف النوع مخلوقات قرار دے رہی ہے، کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کا تعلق ہوتا ہے، اس سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ ایک بالکل ہی مختلف مخلوق ہیں جن کا شمار (دَآبَّةٌ) میں نہیں ہوتا ہے، جو سارے آسمانوں اور ساری زمینوں میں ثابت ہونے والی اور اپنے رب کے آگے سربہ سجود ہونے والی مخلوق ہے، ذی عقل ہے اور ملائکہ سے مختلف بھی۔

☆معارف: سورۃ الحج آیت ۱۸ " اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ ....." الخ سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ (ع-ص)

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:۴۴)

ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو کوئی ہے اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو، بے شک وہ بردبار اور مغفرت کرنے والا ہے۔

اس آیت میں سارے آسمانوں اور زمینوں میں موجود اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے والوں کی جانب اشارہ کرنے کے لیے ذوی العقول کے لیے مخصوص اسم موصول (مَــن) لاکر اور آگے (تَسْبِيْحَهُمْ) میں ان ہی کے لیے مخصوص ضمیر جمع مذکر غائب کو اس کی جانب لوٹانے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخلوق وہی ہے جو وہاں (دَآبَّةٌ) کی شکل میں اپنے معبود کے آگے سربسجدہ تھی، لہذا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ مخلوق ضرور عاقل ہی ہوگی۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى (نجم:۳۱)

آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے وہ اللہ ہی کا ہے، تاکہ وہ برا کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور اچھا کرنے والوں کو اچھا بدلہ۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (جاثیہ:۲۲)

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حقانیت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (مائدہ:۴۰)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے،" جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ملحوظ رہے کہ ان تینوں آیات میں سارے آسمانوں اور زمینوں کی بات ہو رہی ہے اور ان کی تخلیق کا مقصد لوگوں کو ان کے اچھے اور برے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینا بتایا جارہا

ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری زمینوں میں ضرور ایسی ذی عقل اور مکلف مخلوقات بسی ہوئی ہیں جو جزا وسزا کی مستحق ہیں اور یہ کہ ان مخلوقات کا اطلاق ملائکہ پر نہیں ہوسکتا ہے، کیوں کہ وہ معصوم عن الخطا ہونے کی وجہ سے سزا کے مستحق نہیں ہوسکتے ہیں، لہذا ثابت ہوا کہ ذی عقل آسمانی مخلوقات وہ ہوئیں جو غیر ملائکہ ہیں، اپنے رب کے آگے سربسجود ہوتے ہوئے اس کی حمد وثنا کرنے والی ہیں اور مکلف ہونے کی وجہ سے جزا وسزا کی مستحق بھی۔

اب ان آسمانی مخلوقات کے استحقاق جزا وسزا کے اعلان سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری زمین ہی کے مانند وہاں بھی مخلوقات کے درمیان ایمان ویقین اور کفر وتکذیب کا عمل جاری ہے، ذیل کی آیات میں اسی سوال کا جواب پوری وضاحت کے ساتھ دیا جارہا ہے:

۴- وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس:۹۹-۱۰۱)

اگر تمہارا رب چاہتا تو ساری زمینوں میں جو کوئی ہے، ایمان لے آتا، کیا تم لوگوں کو ایمان لے آنے پر مجبور کرسکتے ہو؟ کوئی بھی شخص مشیت الٰہی کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا ہے، جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں اللہ ان پر گندگی تھوپ دیتا ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ دیکھو تو سہی آسمانوں اور زمینوں میں کیا ہے؟ ایمان نہ لانے والی کسی بھی قوم کے لیے نشانیاں اور ڈرانے والے کچھ بھی مفید نہیں ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں آیات معنوی اعتبار سے باہم کفار کی ایمان نہ لاسکنے کی وجہ ایک منطقی اسلوب میں نہایت اعجازی انداز میں بے نقاب کررہی ہیں، اگر پانچوں آیات کا حقیقی مفہوم مدنظر رہے تو اس سے بہ خوبی مستنبط ہوگا کہ یہاں پہلی آیت میں واقع ہونے والے (كُلُّ) اور (جَمِيْعًا) دو الگ الگ تاکیدیں ہیں جو حقیقت میں بالترتیب دو مختلف الفاظ (مَنْ) اور (الْاَرْض) کو موکد کرنے والی ہیں، ساتوں آسمانوں میں موجود ساری ہی زمینوں پر دلالت کرنے کے لیے

(الْاَرْضِ جَمِيْعًا) کی ترکیب قرآن مجید میں بہ کثرت استعمال ہوئی ہے، جس کی مزید مثالیں آگے آئیں گی، یہاں تقدیر کلام یوں ہے: ''وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ كُلُّ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' (اگر تمہارا رب چاہتا تو ساری زمینوں میں جو کوئی ہے ایمان لے آتا)، لہٰذا اس آیت سے معلوم ہورہا ہے کہ ساری زمینوں میں یقینی طور پر ایسی مخلوقات بھی موجود ہیں جو ایمان وانکار دونوں ہی طرح کی صلاحیتوں سے متصف ہیں، اسی لیے اس دعوا کی دلیل اور ثبوت کے طور پر آخری آیت میں ''قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ'' (آپ ان سے کہہ دیجیے کہ دیکھو تو سہی آسمانوں اور زمینوں میں کیا ہے؟) کے ذریعے موجودہ کفار کو سارے آسمانوں اور زمینوں کی موجودات کا بہ غور مشاہدہ ومطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے ''وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ'' (ایمان نہ لانے والی کسی بھی قوم کے لیے نشانیاں اور ڈرانے والے کچھ بھی مفید نہیں ہوتے ہیں) کے ذریعے اشارے ہی اشارے میں انہیں اس حقیقت سے مطلع کیا جارہا ہے کہ ان کا یہاں ایمان نہ لانا صرف اسی ایک زمین کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں، بلکہ کائنات کی دیگر زمینوں میں بھی یہی سلسلۂ تکذیب وانکار جاری ہے، وہاں کے کفار ومنکرین بھی خدائی نشانیوں، پیغمبروں کے باوجود ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے والے نہیں ہیں، اس سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں (مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا) کی لفظی ترکیب میں پائے جانے والے ظاہری ابہام کی توضیح اس آخری آیت میں (السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) فقرے سے کی جارہی ہے کہ وہاں بھی مراد تمام زمینیں ہیں۔

ان آسمانی مخلوقات میں نبوت ورسالت اور صحائف ومعجزات کے نظام کی نشان دہی (ایٰت) اور (نُذُر) سے ہورہی ہے، اس وقت یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ ان آیات میں ہماری زمین کے کفار ومنکرین کا موازنہ دیگر زمینوں کے کفار ومنکرین سے کیا جارہا ہے اور معنی خیز طور پر یہ پوری بات (الناس) کے سیاق میں کی جارہی ہے جو کہ ''انسان'' کی جمع ہے، چنانچہ درج ذیل آیت ملاحظہ ہو جہاں ان آسمانی مخلوقات کے حق میں موجود انسان سے استغنا بھی برتا جارہا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... (نساء:۱۷۰)

اے لوگو! رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق لے کر آئے ہیں، سو تمہارا ایمان لے آنا خود تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم انکار کروگے تو اللہ کے لیے وہ سب ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

ملحوظ رہے کہ یہاں (مَا) اسم موصول ہے جو غیر ذوی العقول کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسے سورۂ نجم والی آیت میں اس کا استعمال ہوا ہے اور جیسا کہ درج ذیل آیت میں خود اللہ کی ذات کے لیے بھی:

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (کافرون:۳)

اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں کرتا ہوں۔

جب دیگر زمینوں میں بسی مخلوقات ہماری زمین کی مخلوقات کے مانند مکلف ہیں اور ایمان وانکار دونوں ہی صفات سے متصف بھی تو ظاہر ہے کہ وہاں بھی سنت الٰہی کے مطابق کفر وانکار کی پاداش میں کفار ومنکرین کی ہلاکت وبربادی کا سلسلہ جاری ہوگا، اس حقیقت کی منظر کشی نہایت عبرت انگیز طور پر اور الگ الگ اسالیب میں ملاحظہ ہو:

۵- وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ لَوْ

ہم نے کتنی ہی ظالم بستیوں کو ہلاک کرکے ان کے بعد (ان ہی کی جگہ) دوسری اقوام کو پیدا کیا ہے، سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کرلیا تو وہ وہاں سے فوراً بھاگنے لگے، بھاگو مت! اپنے سامان عیش اور اپنے گھروں کی جانب لوٹو تاکہ تم سے سوال کیا جائے، وہ کہنے لگے ہائے ہماری بدبختی بے شک ہم ظالم تھے، سو ان کی یہی چیخ وپکار جاری تھی کہ ہم نے انہیں جڑ سے اکھاڑ دیا اور وہ جل بجھ کر رہ گئے، آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان

أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ (انبیاء:۱۱-۱۷)

جو کچھ بھی ہے ہم نے انہیں کھیل کود میں تھوڑا ہی پیدا کیا ہے، اگر ہمیں کھیل کود ہی مقصود ہوتا تو ہم اسے اپنے ہی پاس انجام دے لیتے، اگر ہم کو کرنا ہی تھا۔

یہ تمام آیات معنوی اعتبار سے ایک دوسرے سے حد درجہ مربوط و منضبط ہیں اور آسمانوں کی ساری ہی زمینوں میں جاری خلق وفنا کی داستان بیان کر رہی ہیں، چنانچہ لاتعداد بستیوں کو ہلاک کرنے کے بیان کے فوراً بعد باری تعالیٰ کا یہ اعلان کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے اسے لہو ولعب میں اور بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، اس حقیقت کی جانب صریح ترین اشارہ ہے کہ تخلیق وتخریب کا یہ بیان کائناتی پیمانے پر اور ساری ہی زمینوں کے تناظر میں ہو رہا ہے، اس نقطۂ نظر کو جلا بخشنے والی ایک اور قوی دلیل ان بے شمار بستیوں کی بربادی کے لیے ایک ہی قسم کی ہلاکت یعنی (جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ) (ہم نے انہیں جڑ سے اکھاڑ دیا اور وہ جل بجھ کر رہ گئے) کا بیان بھی ہے، کیوں کہ ہماری زمین سے تعلق رکھنے والی ہر ہلاک شدہ قوم کو ایک علاحدہ قسم کے عذاب کے ذریعے ہی ہلاک کیا گیا تھا مثلاً قوم نوح کو طوفان کے ذریعے، قوم عاد کو آندھی سے، قوم ثمود کو ایک گرج دار آواز اور زلزلے کے ذریعے، قوم لوط کو سنگ باری سے اور آل فرعون کو دریا برد کر کے، چنانچہ کائناتی تناظر میں یہ ایک ہی قسم کی مخلوقات کو جلا کر راکھ کر دینے والا عذاب کیا ہوتا ہے، اس پر تفصیلی گفتگو آگے آتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ (قَرْيَةٌ) کے معنے بستی کے ہوتے ہیں، جب یہ لفظ ہماری زمین کے سیاق میں استعمال کیا جائے تو اس سے اس کا کوئی بھی علاقہ مراد ہونا بالکل عیاں ہے، جیسے علاقہ قوم عاد، علاقہ قوم ثمود یا علاقہ قوم لوط، مگر اب جب کہ آسمانوں میں بھی دیگر زمینوں کا وجود ثابت ہو چکا ہے تو ان سب زمینوں کے تناظر میں اس لفظ کے اطلاق سے ایک پوری زمین مراد ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے، کیوں کہ ساتوں آسمان در کنار صرف ہماری ایک معمولی کہکشاں کی نسبت سے ہماری زمین کی حیثیت اتنی بھی نہیں ہے جتنی کہ خود اس کی نسبت سے اس کی کسی حقیر ترین بستی کی ہو سکتی ہے، موجودہ معلوماتی دور (information age) میں جو لوگ "عالمی قریہ" (global village)

کے مفہوم کو سمجھتے ہیں، انہیں ہماری مراد سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں ہو سکے گی، جب ایک محدود علم کا حامل انسان اس حقیقت کا ادراک کر چکا ہے تو اس علیم وخبیر ذات اقدس کا کیا کہنا جو خالق کل ہے، لہٰذا یہ قرآنی تعبیر واقعتاً "القرآن ذو وجوہ" (قرآن متعدد چہروں والا ہے) کی ایک منہ بولتی تصویر ہے، قرآن مجید میں زمینوں اور ان کی کثرت کا اثبات متعدد مجازی الفاظ و تعبیرات کے ذریعے سے کیے جانے کی مثالوں میں یہ بھی ہے، جس کا استعمال یہاں بہ طور کنایہ کیا گیا ہے، اسی نوع سے تعلق رکھنے والی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

۲- وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے احکام سے سرکشی کی، پس ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا اور انہیں بری سزا دی، سو انہوں نے اپنے کیے کا بدلہ چکھا اور ان کا انجام کار تو خسارا ہی تھا، اللہ نے ان کے لیے ایک شدید عذاب تیار کر رکھا ہے تو اے وہ اہل دانش جو ایمان لا چکے ہو، اللہ سے ڈرو، بے شک اس نے تم پر ایک یاد دہانی نازل کی ہے (اور) ایک رسول (بھی بھیجا ہے) جو تمہیں اللہ کی واضح نشانیاں سنانے والا ہے، تاکہ وہ ایمان والوں اور صالح عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے روشنی کی جانب نکال لے آئے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اور صالح عمل کرے تو اللہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور اللہ نے اسے بہترین رزق عطا

شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (طلاق:۸-۱۲)

کیا ہے، اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہیں کی طرح زمینیں بھی، ان میں حکم نازل ہوتا رہتا ہے، تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا علمی اعتبار سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اس آیت اور گزشتہ آیت کے درمیان کس قدر مماثلت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اگر وہاں (وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ کَانَتْ ظَالِمَةً) (ہم نے کتنی ہی ظالم بستیوں کو ہلاک کیا ہے) کہا گیا تھا تو یہاں ٹھیک یہی سبق اور اسی قسم کی تعبیر (وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِیْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّکْرًا) (کتنی ہی بستیوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے احکام سے سرکشی کی، پس ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا اور انہیں بری سزا دی) کے ذریعے دیا جا رہا ہے، اس تخریب و تعذیب کے کائناتی پیمانے پر ہونے پر دلیل اگر وہاں (وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ) (آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ہم نے اسے کھیل کود میں تھوڑا پیدا کیا ہے) کے ذریعے قائم کی گئی تھی تو یہاں (اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ) (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ان ہی کی طرح زمینیں بھی) کے ذریعے کی جا رہی ہے، چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آخر الذکر یہ دونوں فقرے باہم ایک دوسرے کی شرح و تفسیر کرنے والے ہیں، اسی لیے اس کے فوری بعد اس حقیقت کو مزید موکد کرتے ہوئے ان زمینوں میں بھی ہماری زمین ہی کی طرح نازل ہونے والے احکام الٰہی کا سبق نہایت واضح الفاظ میں (یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ) (ان میں حکم نازل ہوتا رہتا ہے) کے ذریعے دیا جا رہا ہے۔

گزشتہ سطور میں ہم نے (وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ) سے کائنات میں لاتعداد زمینوں کے وجود پر جو استشہاد کیا تھا، یہاں اس پر خود اس کا سیاق (وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ) (کتنی ہی بستیاں) ایک مضبوط دلیل فراہم کرنے والا ہے، جس سے وہاں مراد لیا گیا ہمارا مفہوم اور زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے، چنانچہ اگر یہ آخر الذکر فقرہ اول الذکر فقرے میں پوشیدہ بے انتہا کثرت کو ظاہر کرنے

والا ہے تو خود اول الذکر فقرہ بھی آخر الذکر فقرے کے حقیقی مدلول کی توضیح کرنے والا ہے۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ زمینوں پر دلالت کرنے کے لیے قرآن مجید بہ یک وقت دو الفاظ (الارض) اور (قریة) لے آتا ہے، پہلا حقیقتاً تو دوسرا مجازاً، چنانچہ صحیفۂ الٰہی کا یہ انوکھا اسلوب اس کے جدید علمی اعجاز سے نہایت گہرا ربط و تعلق رکھنے والا ہے جس کی مختلف النوع مزید مثالیں آیندہ صفحات میں بھی پیش کی جائیں گی، اب یہ آیت اس مفہوم کو اور زیادہ واضح اور موکد کرنے والی ہے:

۷- اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَکُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا وَکَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِکْزًا (مریم:۹۳-۹۸)

سارے آسمانوں اور زمینوں میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو رحمٰن کے پاس بہ طور غلام نہ آئے، یقیناً یہ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور انہیں خوب شمار بھی کر رکھا ہے، قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس اکیلا ہی آئے گا، بے شک ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے رحمٰن محبت پیدا کرے گا، یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان بنایا ہے، تاکہ تم متقیوں کو خوش خبری سنا سکو اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا سکو، ہم نے ان سے قبل کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کر دیا ہے، کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس بھی کرتے ہو یا ان کی کوئی خفیف سی آواز ہی کہیں سن سکتے ہو؟

کائنات کی مختلف زمینوں میں مکلف مخلوقات کی تخلیق اور خود انہیں کے گناہوں کی پاداش میں ان کی مستقل ہلاکت و بربادی کی جانب (وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ) (آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے ہم نے اسے کھیل کود میں تھوڑی پیدا کیا ہے) کے ذریعے جو بلیغ اشارہ کیا گیا تھا، موجودہ شمارے میں اسی حقیقت

کی تصویر کشی نہایت واضح الفاظ میں اور ایک تعبیر کے ذریعے کی جارہی ہے، یعنی ان تمام آیات میں حد درجے کا ربط وانضباط پایا جاتا ہے، پہلی آیت میں (اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا) (سارے آسمانوں اور زمینوں میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو رحمٰن کے پاس بہ طور غلام نہ آئے) کے ذریعے ساری آسمانی زمینوں میں عقل مند مخلوقات کے وجود کی خبر صراحت کے ساتھ دیتے ہوئے بتایا جارہا ہے کہ ان سب کو قیامت کے دن اکٹھا کیا جائے گا، پھر (لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا) کے ذریعے سبق دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا احاطہ کرتے ہوئے انہیں خوب شمار بھی کر رکھا ہے، چنانچہ باری تعالیٰ کی جانب سے ان آسمانی مخلوقات کو خوب شمار کیے جانے کی اس تعبیر (عَدَّهُمْ عَدًّا) سے جہاں تاکید ومبالغے کی غرض سے فعل کے بعد اس کا مصدر بھی دہرایا گیا ہے، بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات کی اصل تعداد کس قدر ہوگی، (اَحْصٰهُمْ) (اللہ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے) اس محیر العقول وسیع وعریض کائنات میں بسے رہنے کی جانب اشارہ ہے، یہاں اگر اول الذکر فقرہ ان خارجی تہذیبوں کی عددی کثرتوں کا اظہار کرنے والا ہے تو آخر الذکر ان کی مکانی وسعتوں کا، پھر آگے دو آیتوں میں ان آسمانی مخلوقات کی کچھ اور خصوصیات بیان کرنے کے بعد آیت (فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا) خارجی زندگی کے اس مربوط بیان کے بیچوں بیچ قصداً بہ طور جملہ معترضہ لائی گئی ہے، تاکہ اس ظاہری فصل کے ذریعے کلام میں کسی قدر ابہام پیدا کر کے قبل از وقت حقائق ومعانی کے ظہور پر وقتی روک لگائی جاسکے، پچھلے مباحث کے مطابق جب صرف زمینوں کی کثرت کے واضح بیان میں نہایت درجے کی احتیاط ودور اندیشی کا مظاہرہ کیا گیا تھا تو اب یہ بات عین فطری اور مطابق عقل ومنطق ہوگی کہ ان میں بسی مخلوقات کے بیان میں بھی اسی حکمت عملی کا التزام کیا جائے، پھر آخری آیت میں (كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ) کے ذریعے یہ باور کرایا جارہا ہے کہ آسمانوں میں بسی موجودہ مخلوقات سے قبل وہاں کی لاتعداد نسلوں کو ہلاک وبرباد بھی کیا جاچکا ہے، چونکہ ان ساری آیات میں کلام مربوط طور پر کل آسمانی مخلوقات پر ہورہا ہے، لہذا (قبلهم) میں موجود ضمیر جمع مذکر غائب پہلی آیت میں (مَنْ) کی جانب ہی لوٹ رہی ہے،

ضمیر کے اس مرجع بعید کی جانب لوٹائے جانے کی ایک دوسری دلیل اس سے متصل فقرہ (هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا) (کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس بھی کرتے ہو یا ان کی کوئی خفیف سی آواز ہی سہی، سن سکتے ہو؟) بھی ہے، کیوں کہ محسوس تو صرف انہیں مخلوقات کو کیا جاسکتا ہے یا خفیف سی آواز صرف انہیں کی سنی جاسکتی ہے جو زندہ ہوں، نہ کہ وہ جو عرصہ دراز قبل ہی نیست ونابود کر دیے گئے ہوں۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ (قَرْنٌ) کے لفظی معنے "ایک زمانے کے لوگ" ہوتے ہیں جس طرح (قَرْيَةٌ) کا پس منظر عالمی سے کائناتی میں تبدیل ہوجانے کی صورت میں اس کے معنے میں وسعت پیدا ہو کر ایک پوری زمین مراد ہوجاتی ہے، ٹھیک اسی طرح یہاں (قَرْنٌ) کی اس تعریف کا اطلاق اگر ہماری اس زمین کے موجودہ سلسلہ انسانیت کے تناظر میں کیا جائے تو اس سے اس سلسلے کی کوئی بھی قوم مراد ہوسکتی ہے، جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ اور اگر اس کا اطلاق عمومی طور پر ساری کائنات کی زمینوں میں بسی مخلوقات کے سیاق میں کیا جائے تو اس کا دائرہ وسیع ہو کر ایک زمین کی پوری مخلوق پر محیط ہوجاتا ہے، کیوں کہ اربوں سالہ قدیم کائنات کے پس منظر میں کسی زمین کی صرف چند ہزار سال تک جاری رہنے والی مخلوق "ایک زمانے کے لوگ" کی ایک حقیر ترین مثال ہی ہوگی، ملحوظ رہے کہ ہمارا موجودہ سلسلہ انسانیت کوئی چھ ہزار سال ہی قدیم ہے جب کہ ہماری زمین کی عمر کم از کم ساڑھے چار ارب سال اور اس کائنات کی عمر دس تا بیس ارب سال ہے، لہذا قرآن مجید میں ان دونوں استعمالات کی بہتات ہے، اگلے صفحات میں موضوعات کی مناسبت سے ان میں سے چند کو پیش کیا جائے گا، چنانچہ ہم نے (قرنٌ) کے اس آخری معنے میں استعمال کا ترجمہ ہر جگہ "نسل" ہی سے کیا ہے۔

اس آخری آیت کریمہ میں آسمانی مخلوقات کے تعلق سے (هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا) (کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس بھی کرتے ہو یا ان کی کوئی خفیف سی آواز ہی سہی سن سکتے ہو؟) کہہ کر دنیائے سائنس کی ایک اور مہتم بالشان حقیقت کو نہایت ہی اعجازی انداز میں بے نقاب کیا جارہا ہے اور اشارے ہی اشارے میں خارج از زمین عقل مند زندگی کی تلاش کی سمت جدید فلکیات کی ساری تگ وتاز کو اس چھوٹے سے فقرے میں سمیٹا جارہا

ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا جدید فلکیات خارجی زندگی کی تلاش میں بنیادی طور پر یہی دو قسم کے اقدامات کررہی ہے، ایک تو یہ کہ اپنے خلائی شٹل بیرون زمین بھیج کر خارجی زندگی کا پتہ از خود لگانے اور اسے جسمانی طور پر محسوس کرنے اور کھوج نکالنے کی کوشش کررہی ہے اور دوسرے یہ کہ مصنوعی ریڈیائی لہروں (artificial radio waves) کے ذریعے خارجی زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات سے رابطہ پیدا کرنے کی سخت جدوجہد بھی کررہی ہے اور یہ ریڈیائی شعاعیں حقیقتاً ہلکی اور خفیف سی آواز ہی ہوتے ہیں، جنہیں ریڈیائی آلات کے ذریعے فضائی لہروں سے اخذ کرکے سنا جاتا ہے، آج ریڈیو اور ٹیلی ویژن انہیں اصولوں کو بروئے کار لاکر مواصلاتی میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہے ہیں، خارجی مخلوقات سے رابطے کی خاطر جس طرح ہم ان ریڈیائی لہروں کو ان کی جانب فضائے آسمانی میں بھیج سکتے ہیں ٹھیک اسی طرح ہم ان خارجی مخلوقات کی بھیجی ہوئی لہروں کو فضا ہی سے حاصل کرکے سن بھی سکتے ہیں، بلکہ آج جدید سائنس خارجی زندگی کی تلاش میں اپنی تمام تر کوشش ان خارجی مخلوقات کی ممکنہ طور پر بھیجی ہوئی ریڈیائی لہروں کو کھوجنے اور انہیں سننے ہی میں صرف کررہی ہے، کیونکہ یہ کام نسبتاً آسان اور کم وقت کا طلب گار ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں انسان کی ٹھیک اسی جدوجہد کی جانب یہ بلیغ اشارہ کیا جارہا ہے کہ تم نے خارجی زمینوں اور ان میں عقل مند زندگی کے امکان پر اس قدر ٹھوس علمی وعقلی دلائل وبراہین قائم کرتو لیے ہیں مگر عملی طور پر اتنی تلاش وجستجو کے باوجود کیا کسی مخلوق کو محسوس بھی کرسکے ہو یا کم از کم خود ان کا بھیجا ہوا کوئی ریڈیائی سگنل ہی سہی، پانے میں کامیاب ہوسکے ہو؟ لہذا غور کیا جاسکتا ہے کہ دریا بہ کوزہ کے مصداق باری تعالیٰ نے موجودہ فلکیاتی سائنس کی ساری جدوجہد کو اس نہایت مختصر وبلیغ ترین فقرے میں کس قدر اعجازی انداز میں بند کردیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ جدید علمی وتکوینی حقائق کے اظہار میں قرآن مجید اکثر وبیشتر اشارات وکنایات ہی سے کام لیتا ہے اور تفصیلی کلام سے قطعاً احتراز کرتے ہوئے کسی بھی مظہر طبیعی کی کسی مرکزی صفت کو ایسے بلیغ الفاظ اور جامع تعبیرات کے ذریعے بیان کردیتا ہے، جو اس حقیقت کے سائنسی سطح پر ظہور کے نتیجے میں براہ راست اور بغیر کسی تاویل کے ہر عام وخاص کی سمجھ میں آجاتے ہوں، بہ طور مثال ان ریڈیائی شعاؤں ہی کے لیے باری تعالیٰ

اگر اپنی جانب سے کوئی اصطلاح وضع کرتا تو وہ یقیناً ان مظاہر کائنات کے خالق اور ان کے سربستہ رازوں کے واقف کار کی جانب سے ہونے کی وجہ سے اس قدر جامع و مانع ہوتی کہ انسان کی سمجھ سے بالکل بالاتر ہی ہوتی، لہذا اس نے ان کی تصویر کشی ان کی اسی مرکزی اور عام فہم صفت (رِکْزًا) یعنی ''خفیف سی آواز'' سے کردی۔

مزید برآں ان خارجی مخلوقات کے بھیجے گئے ریڈیائی سگنل سن سکنے کی بات کہہ کر قرآن مجید سابقہ آیات کے ذریعے ان مخلوقات کے ثابت شدہ اوصاف پر ایک اور وصف کا اضافہ کررہا ہے کہ وہ تہذیبی وتمدنی اور علمی وثقافتی اعتبار سے ہم جیسے یا ہم سے بھی زیادہ ترقی یافتہ اور فائق ہوسکتے ہیں کیوں کہ محض ایک مخلوق کی کسی دوسری خارجی مخلوق کو ان ریڈیائی لہروں کے ذریعے اپنے وجود کی خبر دینے کی کوشش ہی بے پناہ سائنسی اور فلکیاتی ترقی کی متقاضی ہوتی ہے، جیسا کہ اس وقت خود ہمارا حال ہے، ملحوظ رہے کہ ہم صدیوں کی علمی وفنی ترقی کے بعد ہی اور گذشتہ تقریباً پانچ دہائیوں ہی سے اس ٹکنالوجی کے استعمال پر ایک حد تک قادر ہوسکے ہیں، لہذا غور کیا جاسکتا ہے کہ جدید فلکیات اب تک راست طور پر خارج از زمین ایک زندہ یا مردہ جرثومہ تک دریافت نہ کرسکنے کے باوجود مختلف بالواسطہ دلائل وشواہد کی بنیاد پر خارجی تہذیبوں سے رابطہ پیدا کرنے کی سعی برسوں سے جس عزیمت واستقامت کے ساتھ کررہی ہے وہ کس قدر حقیقت پسندانہ ہے اور یہ کہ خود وہ سائنسی دلائل وبراہین کس قدر مضبوط ومستحکم بنیادوں پر قائم ہیں، مزید تائید و تقویت کے لیے درج ذیل آیات بھی ملاحظہ ہوں:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ (نمل: ۶۵-۶۶)

کہہ دو کہ سوائے اللہ کے آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے غیب کی خبر نہیں رکھتا ہے اور انہیں اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ ان کی بعثت کب ہوگی، بلکہ ان کا علم آخرت (کے ثبوت) کو پاچکا ہے، بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، بلکہ وہ اس کی طرف اندھے بنے ہوئے ہیں۔

یہاں (مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) (آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے) کی تعبیر سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ قرآنی بیان بھی ساری ہی آسمانی زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات کے پس منظر میں ہو رہا ہے، چنانچہ اس کے ذریعے نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ ان مخلوقات کو اس کی بالکل بھی خبر نہیں ہے کہ ان کی بعثت کب ہونے والی ہے، نیز ان مخلوقات کا ایک اور وصف یہ بھی بیان کیا جارہا ہے کہ ان میں سے بہت سی ایسی بھی ہیں جو اگرچہ وقت بعثت کی خبر نہ رکھتی ہوں مگر وہ اس قدر متمدن اور علمی اعتبار سے اتنی ترقی یافتہ ہیں کہ انہوں نے اپنے علوم وفنون کی بہ دولت آخرت کی سچائی کو پالیا ہے، مگر وہ اس کے باوجود شک میں پڑے ہوئے ہیں یا اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں، جیسا کہ اس وقت ہماری موجودہ زمین والوں کا حال ہے، اس طرح یہ آیات ثابت شدہ دیگر آسمانی مخلوقات کی علمی وسائنسی ترقی کو مزید مؤکد کرنے والی ہیں۔

آسمانی مخلوقات کے یہ اور اب تک ثابت شدہ سارے اوصاف وہی ہیں جو خود ہم انسانوں کے ہیں، ان تمام حقائق کے پیش نظر کیا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ ساری مخلوقات بھی انسانی ہی ہیں؟ اور کیا وہ ائمہ مفسرین جنہوں نے (دَآبَّۃٌ) میں انسان کو بھی شامل مانا تھا، اس عظیم الشان حقیقت کی کنہ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے؟ چنانچہ اس کے کافی وشافی جواب کے لیے ملاحظہ ہو:

یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّہَ الثَّقَلٰنِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے اسی سے مانگتا ہے، وہ ہر دن کسی کام میں ہوتا ہے، پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے جن وانس عنقریب ہم تمہارے لیے فارغ ہوجائیں گے، پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے حدود سے باہر نکل جاؤ تو نکل کر

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ ......

(رحمٰن: ۲۹-۳۷)

دیکھو (مگر یاد رکھو) تم ایک بڑی قوت کے بغیر نکل نہیں سکتے ہو، پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (لہذا جب تم نکلنے کی کوشش کروگے تو) تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم بچ نہ سکوگے، پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ پھر جب آسمان پھٹ جائیں گے......

اس بحث میں (السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ) کا استعمال مکرر کیا گیا ہے جس سے اس حقیقت میں مزید تاکید پیدا ہوجاتی ہے کہ یہ گفتگو ساری آسمانی زمینوں ہی کے پس منظر میں ہو رہی ہے، آخری آیت میں (فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ) (پھر جب آسمان پھٹ جائے گا) خبر دے رہا ہے کہ سابقہ ساری آیات دنیوی امور ہی سے متعلق ہیں، کیوں کہ الفاظ قرآنی سے پوری طرح عیاں ہے کہ قیامت کے بیان کی ابتدا ہی یہاں سے ہو رہی ہے، چنانچہ یہاں کلام کی ابتدا (یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) کے ذریعے کرتے ہوئے یہ خبر دی جارہی ہے کہ ساری آسمانی زمینوں میں جو کوئی بھی ہے اسی سے مانگنے والا ہے، یہاں یہ مانگنے والے حقیقتاً کون ہیں، بہ ظاہر یہ آیت اس سے سکوت اختیار کیے ہوئے ہے مگر اگلی ہی آیت میں اسلوب کلام کو اعجازی طور پر صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب میں تبدیل کرتے ہوئے براہ راست انسان اور جنات کو مخاطب کرکے (سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّہَ الثَّقَلٰنِ) (اے جن وانس عنقریب ہم تمہارے لیے فارغ ہوجائیں گے) کہا جارہا ہے، جس سے یہ لطیف اشارہ نکلتا ہے کہ وہ مانگنے والے یہی ہیں، پھر ملاحظہ ہو کہ کتاب الٰہی یہاں صرف اس احتمال کے ذکر ہی پر اکتفا کرنا کافی نہیں سمجھتی ہے، بلکہ متصل اگلی ہی آیت میں (السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ) کی ترکیب ایک اور مرتبہ دہرا کر صاف سیدھے اور منصوص طور پر (یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا) کے ذریعے انہیں ان ساری زمینوں کے بھی حدود سے باہر نکل جانے کی دعوت پیش کردیتی ہے، اب سوچا جاسکتا ہے کہ اگر ان دونوں کا وجود ان ساری

زمینوں میں نہ ہوتا تو انہیں ان سے باہر نکلنے کی دعوت ہی کیوں دی جاتی؟ کیا اس قسم کے کسی مہمل و بے معنی بیان کی توقع خالق ارض وسما جیسی ذات اقدس سے کی جاسکتی ہے؟

متقدم مفسرین کے ایک طبقے نے دیگر زمینوں اور ان میں مکلف مخلوقات کے وجود اور ان کے احوال وکوائف پوری طرح مجہول ہونے کی بنا پر آخر الذکر آیت کو مجرد طور پر اور پورے مربوط سیاق وسباق سے بالکل منقطع کر کے دیکھا تو ان کے نزدیک جن وانس سے اس خدائی خطاب کو اخروی نوعیت کا قرار دینے کے علاوہ کوئی اور متبادل مفہوم مشکل ہی تھا، مزید برآں اس تاویل میں بھی ان کے پیش نظر صرف ہماری موجودہ ایک ہی زمین تھی، البتہ ان کی یہ تاویل اس وقت بھی صحیح نہیں ہوسکتی تھی، کیوں کہ اسی آیت کا آخری فقرہ (لَا تَنْفُذُوْنَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ) (تم ایک بڑی قوت کے بغیر نکل نہیں سکتے ہو) بھی اس امکان کو واضح طور پر تسلیم کر رہا ہے کہ یہ دونوں جنسیں ایک زبردست قوت کے بل بوتے آسمانوں اور زمینوں کے حدود کو عبور بھی کر سکتی ہیں، جب کہ یہ امر آخرت میں محال ہوگا، اسی طرح اگر اس خطاب کی نوعیت اخروی ہوتی تو اس صورت میں جن وانس کو دعوت، میدان حشر کے حدود وقیود ہی سے فرار اختیار کرنے کی دی جاتی، نہ کہ دیگر ساری زمینوں کے حدود کو پار کرنے کی، مزید برآں یہ دعوت فرار مخصوص طور پر جن وانس کے طبقۂ منکرین ومکذبین ہی کو دی جاتی، نہ کہ اس خطاب کے عموم میں اہل جنت مومنین کو بھی شامل کرلیا جاتا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ جدید انسان دیوہیکل اور نہایت طاقت ور راکٹوں...... جو (سلطان) (ایک بڑی قوت) کی منہ بولتی تصویر ہیں...... کی مدد سے کئی مرتبہ ہماری زمین کے حدود سے بالکل باہر ہو آیا ہے اور آئے دن اس کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلسل اس خدائی اعلان پر مہر تصدیق ثبت کرتا بھی جارہا ہے نیز خود اکثر متقدم ائمہ مفسرین کے نزدیک بھی یہ احتمال موجود ہے کہ یہ خطاب دنیوی نوعیت کا بھی ہوسکتا ہے، ان میں امام طبریؒ، امام رازیؒ، قاضی بیضاویؒ، امام بغویؒ، قرطبیؒ، علامہ آلوسیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں، بالخصوص امام رازیؒ عبارت کے عموم کا لحاظ کرتے ہوئے اسی امکان کو اولی وافضل قرار دیتے ہیں، حقیقتاً یہ اور اس کے بعد والی دونوں آیات شریفہ مل کر موجودہ خلائی دور سے گہرا تعلق رکھنے والی اور ایک بہت ہی اہم فلکیاتی مظہر سے نہایت اعجازی انداز میں پردہ اٹھانے والی ہیں، جس پر مفصل کلام آیندہ کسی مضمون میں کیا جائے گا۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مقصود حقیقتاً ساری زمینوں کے طبقات جن وانس سے خطاب نہیں بلکہ اس سے صرف ان کے ہر جگہ اثر ونفوذ کی خبر ہمیں اعجازی انداز میں دینا ہے، لہذا اس بحث سے مدلل اور منصوص طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ساری آسمانی زمینوں میں ثابت شدہ ہو بہو انسانی اوصاف سے متصف مکلف مخلوقات خود انسانوں ہی کی ہیں اور یہ کہ ہر جگہ ان کا ساتھ جنات سے بھی ہوتا ہے۔

ممتاز مفسر قرآن اور نامور صحابی رسولؐ حضرت ابن عباسؓ کی وہ حیرت انگیز روایات ملاحظہ ہوں جو ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی حد درجہ تائید وحمایت کرنے والی ہیں اور جنہیں امام طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی اپنی تفاسیر (طلاق: ۱۲) کے ضمن میں نقل فرمایا ہے:

فی کل ارض مثل ابراهیم ونحو ما علی الارض من الخلق۔	ہر زمین میں ابراہیم جیسا اور اس زمین جیسی مخلوقات موجود ہیں۔
سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم و آدم کآدم و نوح کنوح و ابراهیم کابراهیم وعیسی کعیسی۔	سات زمینوں میں سے ہر زمین میں تمہارے نبیؐ کے مانند ایک نبی ہے اور آدم کی طرح آدم، نوح کی طرح نوح، ابراہیم کی طرح ابراہیم اور عیسی کی طرح عیسی بھی۔

ان دونوں روایات کے ہر لفظ سے عیاں ہے کہ ساری ہی زمینوں میں ہم جیسی مخلوق آباد ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایات اب تک ان دونوں ابواب میں منتشر طور پر ثابت شدہ بہت سارے قرآنی حقائق کی تلخیص کرنے والی ہیں، یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہماری کوئی نئی اور انوکھی تحقیق نہیں ہے جس سے متقدمین بالکلیہ غیر مانوس رہے ہوں، بلکہ حضرت ابن عباسؓ نے اس کلیے کا ادراک شروع دور ہی میں کرلیا تھا جس کے لوازم اور دیگر تفصیلات سے ہم آج خود قرآن مجید ہی کی روشنی میں مطلع ہو رہے ہیں، یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ انہیں ائمہ تفسیر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں آپ ہی کی ایک اور روایت کا بھی ذکر فرمایا ہے جس سے ان مرویات کی وہبی والہامی نوعیت بھی پوری طرح آشکارا ہو جاتی ہے:

لو حدثتکم بتفسیرها لکفرتم	اگر میں تمہیں اس آیت کی تفسیر بیان کردوں

وَكُفْرُكُمْ تَكْذِيبُكُمْ بِهَا — تو تم کفر کر بیٹھو گے اور تمہارا یہ کفر اس آیت ہی کو جھٹلا دینا ہوگا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائناتی مخلوق کے تعلق سے حضرت ابن عباسؓ کچھ مزید معلومات بھی رکھتے تھے، مگر انہوں نے بعض خدشات اور رائج الوقت علمی سطح کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اس ضمن میں کسی مزید تفصیل کے بیان کرنے سے قطعاً احتراز فرمایا، چنانچہ سوچا جاسکتا ہے کہ علمی حقائق کے اظہار کے لیے آپ کا ساتویں صدی عیسوی جیسا زمانہ کس طرح موزوں ومناسب ہوسکتا تھا جب کہ موجودہ اکیسویں صدی جیسے نہایت ترقی یافتہ علمی وسائنسی دور میں بھی خود سائنسی برادری ہی اس تعلق سے بڑے تذبذب کا شکار ہے اور اس ضمن میں کوئی بات قطعی وحتمی طور پر کہہ نہیں پارہی ہے۔

یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے عوام تو عوام خود طبقۂ محدثین ومحققین نے بھی ان روایات کو شک وتردد ہی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان سے قابل قدر اعتنا نہیں کیا ہے، کچھ نے ان روایات کی بہ اعتبار سند نقد وجرح کی تو کچھ نے اس ضمن میں خاموشی اختیار کرنے ہی کو بہتر جانا، کیوں کہ اس وقت ان حقائق کو تسلیم کرلیے جانے کے نتیجے میں فکری ونظریاتی افتراق وانتشار کا تدارک تقریباً ناممکن ہوجاتا مگر چوں کہ یہ روایات عصر حاضر میں ارشادات ربانی کی درایتی اعتبار سے اس قدر شرح وتفسیر کرنے والی ہیں کہ ان کا موہوم سقم از خود رفع ہوجاتا ہے، اگرچہ حضرت ابن عباسؓ نے یہاں مثلیت میں آسمانوں کے سات عدد پر قیاس کرتے ہوئے زمینیں بھی اسی قدر مراد لی ہیں مگر جیسا کہ پہلے گفتگو میں خود قرآن مجید ہی کی متعدد نصوص سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہوچکا ہے، ساتوں آسمانوں میں لاتعداد زمینیں موجود ہیں، چنانچہ زمینیں اور ان میں بسی انسانی تہذیبیں کس قدر رہوں گی اس کا کسی قدر تخمینہ حسب ذیل آیت پاک سے بھی بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى

قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر (کے بوجھ کی وجہ) سے پھٹ پڑیں، اس حال میں کہ فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے زمینوں

الْاَرْضِ ...... (شوریٰ: ۵) — میں رہنے والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

یہ ارشاد باری ساتوں آسمانوں اور ان میں موجود ساری ہی زمینوں کے سیاق میں ہورہا ہے، جس کی دلیل یہاں (السماوات) کے پس منظر میں (الارض) کا استعمال ہے اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا جاچکا ہے کہ لفظ (السماوات) ہی اپنے وسیع تر مفہوم کے تحت ساری ہی زمینوں پر بھی محیط ہوتا ہے، چنانچہ (تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ) سے یہ معنی خیز اشارہ نکلتا ہے کہ وہ بوجھ جس کی وجہ سے آسمان اپنے اوپر سے پھٹنے کے قریب ہیں، وہ انہیں زمینوں اور ان میں بسے انسانی تمدنوں کا ہے، اسی لیے یہاں اصولی اعتبار سے "من تحتھنّ" (اپنے نیچے سے) کے بجائے قصداً اور خلاف قاعدہ "من فوقھنّ" (اپنے اوپر کے بوجھ کی وجہ سے) کی ترکیب اختیار کی گئی ہے کیوں کہ منطقی لحاظ سے آسمان اگر پھٹیں تو وہ اپنے اوپر سے نہیں بلکہ اپنے نیچے ہی سے پھٹتے ہیں، قرآن مجید یہاں ایک اور مرتبہ صرف اشارے ہی پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے متصل بعد راست طور پر (وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ) (فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے زمینوں میں رہنے والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں) کے ذریعے ان زمینوں اور ان میں بسی تہذیبوں کو نہایت اعجازی طور پر ظاہر کررہا ہے، جس سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارا بیان آسمانی زمینوں اور ان میں آباد انسانی مخلوقات ہی کے ضمن میں ہورہا ہے۔

متقدمین کے نزدیک چوں کہ خارجی مخلوقات ثابت نہیں تھیں اس لیے انہوں نے اس سے ملائکہ کا بوجھ مراد لیا تھا، اس وقت یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ ابتدائے بحث کے تحت (دَآبَّة) کے ذریعے ساری کائنات میں ثابت ہونے والی انسانی مخلوقات کا تعلق بھی اسی سورۂ شوریٰ کے وسط سے ہے جس کی ابتدا سے موجودہ بحث کا تعلق ہے، جس سے موجودہ ارشاد ربانی کے حقیقی منشا ومراد پر بھی خاطر خواہ مزید روشنی پڑتی ہے، چنانچہ آسمانوں کے اپنے اوپر کے بوجھ کی وجہ سے پھٹ پڑنے کے قریب ہوجانے کی موجودہ تصریح اور پچھلی بحث میں زمینوں کی بے انتہا کثرت کے مختلف النوع بیانات سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خارجی زمینوں اور ان میں بسی

انسانی تمدنوں کی تعداد کس قدر کثیر اور نا قابل تصور ہوگی۔

الغرض اب تک پیش کردہ آیات کے ملاحظہ سے نہایت مدلل اور نا قابل تردید طور پر ثابت ہورہا ہے کہ ساتوں آسمانوں میں لاتعداد زمینیں ہیں جو سب کی سب جن وانس کی ابتلا وآزمائش ہی کی خاطر پیدا کی گئی ہیں، ہر جگہ خلق وفنا کا سلسلہ مستقل طور پر جاری وساری بھی ہے، پرانی نسلیں اپنے گناہوں اور کرتوتوں کی پاداش میں فنا ومعدوم ہورہی ہیں اور مسلسل ان کی جگہ نئی نسلیں وجود میں آرہی ہیں، آیندہ ہم کائناتی سطح پر تخلیق وتخریب کے اس خیرہ کن اور عبرت آموز قرآنی فلسفے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ساری ہی زمینوں کی ایک نہایت مہیب اور خوف ناک طبیعی حقیقت کو منکشف کرنے کی کوشش کریں گے، جس سے اب تک کے ہمارے سارے مباحث اور مختلف ارشادات قرآنی سے مراد لیے گئے تمام مفاہیم قوی سے قوی تر ہوتے چلے جائیں گے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا نشان دہندہ-نواب ظہور اللہ خاں نوا بدایونی

جناب ڈاکٹر شمس بدایونی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اسباب ومحرکات پر ہندوستانی مورخین نے خاصی داد تحقیق دی ہے لیکن بعض شخصیات وواقعات کی تلاش وتحقیق ابھی باقی ہے، ایسے ہی واقعات میں روہیل کھنڈ کے مردم خیز شہر بدایوں کے ایک شاعر کا لکھا ہوا وہ فارسی قصیدہ بھی ہے جس پر ۱۸۵۷ء کے تعلق سے ہنوز تحقیق وگفتگو نہیں کی گئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آنے والے واقعات کے آثار پہلے ہی سے پیدا ہوجاتے ہیں، تاریخ ان آثار کا بھی جائزہ لیتی ہے، ان آثار کا جائزہ لیتے وقت حالات وشخصیات دونوں ہی کا مطالعہ ناگزیر ہے، کیوں کہ حالات اور شخصیات کے باہم دگر ہونے سے ہی پیش قدمی ممکن ہوتی ہے، مثال میں جنگ پانی پت (۱۷۶۱ء) کو لیجیے، اس جنگ سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (ف ۱۷۶۲ء) اور ان کی تحریک احیائے دین نے اصل لڑائی کے آثار پیدا کردیے تھے، لہٰذا جنگ پانی پت کے واقعے اور نتائج کا جائزہ لیتے وقت حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریک احیائے دین کا مطالعہ بھی ضروری ہوگا، اسی طرح جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقوع سے قبل ایسے آثار پیدا ہوچکے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ مستقبل میں کوئی بڑا واقعہ رونما ہونے والا ہے، ان آثار کے ذریعے ان اسباب کی نشاندہی بھی ہوجاتی ہے جو معرکے کے وقوع میں چنگاری کا کام کرتے ہیں۔

مذہب اور سماجی رسوم میں مداخلت، ظلم، ناانصافی، غربت وافلاس، اہل علم وفن کی ناقدری وغیرہ وہ سماجی وسیاسی چنگاریاں ہیں جو آتش زنی کا کام کرتی ہیں، ہمارے ادب سے بھی ان آثار کا

۵۸، نیو آزاد پورم کالونی، عزت نگر، بریلی-۲۴۳۱۲۲۔

پتا چلتا ہے، خاص طور پر ہمارے شعرا جب باطنی وخارجی آشوب کو نظم کرتے ہیں تو اس ہل چل کا پتا لگتا ہے جو کسی بڑے واقعے کے رونما ہونے کی پیشین گوئی کرتا ہے، مثال میں نواب ظہور اللہ خاں نوا بدایونی (۱۷۶۳-۱۸۳۰) کو پیش کیا جاسکتا ہے جنھوں نے فتح علی شاہ قاچار (۱۷۹۷ تا ۱۸۳۴) شاہ ایران کی مدح میں فارسی قصیدہ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے اندازاً نصف صدی قبل تحریر کرکے قاری کو اس محاربہ عظیم کے آثار واسباب کا اشارہ دیا تھا، بہ قول مولانا محمد سلیمان بدایونی:

''غالباً یہ پہلا شخص ہے جس نے وطن کو اغیار سے خالی کرانے کی سعی کی''۔ (بدایوں ۱۸۵۷ء میں، ص ۳۵)

اس مقالے میں ظہور اللہ خاں نوا بدایونی اور قصیدہ در مدح فتح علی شاہ قاچار، والی ایران پر اس خیال سے گفتگو کی گئی ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل ہی اس کے وقوع کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔

نوا کا ترجمہ تقریباً ہر تذکرے میں ملتا ہے، وہ نسباً شیخ صدیقی حمیدی اور مذہباً اثنا عشری تھے، ظہور اللہ تاریخی نام ہے جس سے ۱۱۷۷ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں، (۱۱۷۷ھ/ ۱۷۶۳-۱۷۶۴ء) تذکرات الشعرا کے علاوہ راقم الحروف کے پیش نظر تاریخ بنی حمید (۱) (قلمی) ہے جس میں کتاب الانساب (۲) (نوا از قربان علی) اور تذکرہ نفیس (۳) (اشرف علی نفیس) دو قلمی کتب کے حوالے سے نوا کے حالات درج کیے گئے ہیں جس سے مستفاد ہوا کہ نوا اپنے والد دلیل اللہ صدیقی کے ہم راہ سیاحت کے لیے نکلے، اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی، انھوں نے بنارس کے نواب ابراہیم علی خاں کی سرکار میں سررشتہ داری کے عہدے پر ملازمت کی اور معروف ہوئے، بعد کو بہ عہد نواب آصف الدولہ (۱۷۷۵-۱۷۹۶ء) لکھنؤ وارد ہوئے، جہاں حکیم بقاء اللہ خاں بقا (ف ۱۷۹۱ء) کے شاگرد ہوئے اور داد سخن حاصل کی، قصیدہ نگار اور فارسی گو کی حیثیت سے مشہور ہوئے، سید احمد علی خاں یکتا نے ''دستور الفصاحت'' میں لکھنؤ میں نوا اور جرأت و شاگردان جرأت کے مابین نزاع کلی کا ذکر کیا ہے (ص ۱۰۹)، اسی زمانے میں نوا نے ہجویات بھی تحریر کیں، بعد کو نزاع ختم ہوگیا اور بہ قول یکتا کے وہ مفقود الخبر ہوگیا (ص ۱۱۰)، دراصل نوا نے ایران کا سفر اختیار کیا تھا، کچھ مدت وہاں قیام کرکے دربار میں رسائی حاصل کی، بعد کو وہ واپس ہندوستان

آئے اور دکن و اودھ میں مقیم ہوئے۔

۹ رصفر ۱۲۴۶ھ/ ۳۱ رجولائی ۱۸۳۰ء کو انھوں نے وفات پائی، قاضیان بدایوں کے گورستان (جو آج کل قاضی حوض کے نام سے مشہور ہے) میں مدفون ہوئے، پروفیسر ضیاء احمد بدایونی نے نوا کی مندرجہ ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں:

۱- دیوان فارسی، ۲- قصائد فارسی، ۳- مثنوی معجزات جناب امیر، ۴- انشائے فارسی، ۵- مثنوی یوسف زلیخا، ۶- مثنوی سیاحت ایران وسفر حجاز، ۷- مناظرہ عقل و بخت، ۸- مثنوی ملاقات گورنر جنرل بادشاہ اودھ، ۹- شرح دیوان بدر چاچ، ۱۰- مثنوی لیلیٰ مجنوں، ۱۱- شاہنامہ سلاطین اودھ (ناتمام)، ۱۲- دیوان قصائد اردو، ۱۳- مثنوی وامق وعذرا اردو۔ (مسالک و منازل، ص ۲۹۲ و ۲۹۳)

زیر گفتگو فارسی قصیدہ پروفیسر ضیا احمد کی نظر سے اوجھل رہا، یہ قصیدہ پہلی بار مولوی محمد سلیمان بدایونی (ف ۱۹۶۳ء) کی کتاب بدایوں ۱۸۵۷ء میں (مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی، جنوری ۱۹۶۰ء) میں مع اردو ترجمہ شائع ہوا (ص ۲۱ تا ۳۵)، مولوی سلیمان نے قصیدے کے ماخذ سے مطلع نہیں کیا، ادبی ذمہ داری کا تقاضا تھا کہ وہ اس قصیدے کی یافت اور اس کے متن کے معتبر ہونے پر گفتگو کرتے، یوں اس قصیدے کی پیش کش کو محض مولوی سلیمان کی وطن دوستی اور ایک فرزند وطن کی تاریخی عظمت کو منوانے کی نامسموع روایت کی صورت میں دیکھا گیا، پروفیسر ضیا احمد نے اپنے مضمون میں یہ اطلاع دی ہے:

''(نوا کا) ایک مجموعہ مع انشائے فارسی مولوی محمد سلیمان بدایونی مرحوم اپنے ساتھ لے گئے تھے جو یقیناً ان کے اسلاف کے قبضے میں ہوگا''۔ (مسالک ومنازل، ص ۲۹۳)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ مجموعہ کلام فارسی میں انشائے فارسی نوا کی دوسری کتب (شاہنامہ، دیوان فارسی، یوسف زلیخا، لیلیٰ مجنوں) کی طرح ان کے پوتے قربان حسین (۴) کا نقل کردہ ہوگا جو سلیمان بدایونی کے ہاتھ لگ گیا اور وہ اپنے ساتھ اسے کراچی لے گئے، ۱۸۵۷ء سے متعلق کتاب تالیف کرتے وقت انھوں نے اس قصیدے کو اسی مجموعہ فارسی سے نقل کرکے اپنی

کتاب میں بدونِ حوالہ شامل کیا، قصیدے کے آغاز میں نوا کے حالات قلم بند کرتے ہوئے ۱۸۵۷ء کے جہادِ حریت میں ان کی حصہ داری کا ذکر کیا اور قارئین کی سہولت کے لیے اس کا اردو ترجمہ اور مشکل الفاظ کے معانی بھی درج کر دیے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ نوا کا اصل قصیدہ، مجموعہ کلام فارسی میں اس کی نقل شدہ شمولیت اور آخر میں اس کی کتابت وطباعت کے مرحلے، خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ اس قصیدے کے متن کی دوسری روایت برائے تقابل موجود نہیں ہے، اس کی صحت کو قیاسی بنا دیتی ہیں، تاہم اس بنیاد پر کہ تاریخ بنی حمید (قلمی) میں نوا کے ایران جانے اور شاہ ایران کے روبرو قصیدہ پڑھنے کا مذکور ہوا ہے، اس قصیدے کی نوا سے نسبت معتبر ہو جاتی ہے، البتہ اس کے متن کی صحت پر کلیتاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

نوا کے ایران جانے کا ذکر متعدد تذکرہ نویسوں نے کیا ہے لیکن مقصد سفر کے متعلق تذکرہ نویس ہم خیال نہیں، بعض بے غرض تحصیل زبان فارسی، بعض مقامات مقدسہ کی زیارت اور بعض اعزاز و اکرام حاصل کرنے کی کوشش کی صورت میں اس سفر کا ذکر کرتے ہیں، انہیں تذکروں میں نوا کے ایران پہنچنے، شاہ ایران کے دربار میں حاضر ہونے اور مدحیہ قصیدہ پڑھنے کے سلسلے میں دل چسپ بیانات ملتے ہیں، راقم الحروف کی نظر میں اگر یہ بیانات صحیح بھی ہیں تب بھی ان کو زیب داستاں ہی سمجھنا چاہیے، ہمارے لیے محض اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ نوا کی شاہ ایران کے دربار میں رسائی ہوئی اور انہوں نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا۔

تاریخ بنی حمید (قلمی) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نوا کے ایران جانے اور فارسی قصیدہ پڑھنے کا محرک ایک واقعہ ہے جس کا ذکر کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا ہے، وہ واقعہ اس طور پر ہے ''۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء جب کہ وہ (نوا بدایونی) لکھنؤ میں مقیم تھا، قنوج میں مسجد کے انہدام اور اس پر سرکار کمپنی کے حکم سے ہندوؤں کے تسلط کا واقعہ رونما ہوا، یہ خبر سن کر شیخ ظہور اللہ خاں مسجد کو واگزاشت کرنے کی کوشش میں مصروف ہوا لیکن اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ ایران پہنچا اور شاہ ایران کے حضور میں حاضر آیا'' (ص ۳۵)۔

تاریخ بنی حمید کے مطابق قنوج میں انہدام مسجد کا واقعہ ۱۲۰۶ھ یعنی ۱۷۹۱ء کا ہے،

فتح علی شاہ قاچار ۱۷۹۷ء میں سریر آرائے سلطنت ایران ہوا تھا، لہذا گمان یہی ہے کہ نوا واقعۂ قنوج کے آٹھ نو برس بعد ایران پہنچے، اس طرح نوا کے ایران پہنچنے کی قیاسی تاریخ ۱۷۹۷ء کے بعد ۱۸۰۰ء کے آس پاس ہو سکتی ہے لیکن مولوی محمد سلیمان بدایونی نے لکھا ہے:

''یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ہندوستان سے انگریزوں نے ایک سفارت بسر کردگی سرجان ملکم ایران بھیجی تھی''۔ (ص ۱۹)

لارڈ منٹو گورنر جنرل ۱۸۰۷ء سے ۱۸۱۳ء تک حکم راں رہا، اس نے فرانسیسیوں کا غلبہ کم کرنے اور ملک بدر کرنے کے خیال سے ہندوستان اور بیرونی ممالک کے حکم رانوں سے سفارتی تعلقات قائم کر کے معاہدے کر لیے کہ وہ اپنی اپنی ریاست اور اپنے اپنے ملک میں فرانسیسیوں کو اعلا عہدوں سے برخاست کر دیں گے اور ریاست و ملک سے گذرنے کے لیے راستہ نہیں دیں گے، اسی سلسلے میں سرجان مالکم (Malcolum) کی قیادت میں ایک سفارت ایران بھیجی گئی تھی (تاریخ ہندوستان، ص ۴۲۴)، اس سفارت کے صحیح زمانہ کا تعین نہیں ہو سکا، قیاس ہے کہ روس اور فرانس کے درمیان ۱۸۱۰ء میں شروع ہونے والی جنگ سے پہلے ہی یہ سفارت ایران گئی ہوگی، لہذا نوا کے ایران جانے کا صحیح زمانہ ۱۸۰۷ء سے ۱۸۱۰ء کے آس پاس رہا ہوگا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ایران کے حضور نوا نے متعدد قصائد پیش کیے، مولف تاریخ بنی حمید (قلمی) نے نوا اور شاہ ایران کے درمیان اشعار پر مبنی گفتگو درج کرنے کے بعد لکھا ہے، اس کے بعد سلطان کی مدح میں قصیدہ پڑھا جس کا مصرعہ اولی یہ ہے:

قصر نو، شاہ زمن را، چہ سزاوار آید

بعد ازاں یہ شہر آشوب اس کی زبان سے ادا ہوا:

در ہند از بد گوہراں، آفت پدیدار آمدہ (ص ۳۵)

مصرعہ ثانیہ یادداشت میں نہیں۔

زیر نظر قصیدے میں اشعار کی تعداد ۵۹ ہے، قصیدہ تمہید، تشبیب، گریز، مدحت، عرض مدعا وغیرہ یعنی قصیدے کے اجزائے ترکیبی سے عاری ہے، بہ اعتبار مضمون شہر آشوب ہی کی صورت رکھتا ہے لیکن ہیئت کے لحاظ سے اسے قصیدہ کہنا ہی درست ہوگا، اس قصیدے نما (۵)

شہر آشوب کے پہلے ہی شعر میں ہند میں آفت آنے اور فتنہ وظلم کے پھیلنے کا مضمون ہے، آخری شعر میں تخلص بھی نظم نہیں ہوا ہے، اس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ اس قصیدے میں اشعار کی تعداد زیادہ رہی ہوگی، یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک ہی قصیدے میں دو بحر اور دو ردیف (آید اور آمدہ) کا استعمال کرکے شاعر نے جدت کا ثبوت دیا ہو۔

جس طرح شاہ ولی اللہ دہلوی نے ۱۷۵۰ء کے آس پاس شاہانِ مغلیہ کو مرہٹوں کی دست درازیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے نجیب الدولہ یعنی روہیلوں کو مدد کے لیے راضی کرلیا تھا اور مغلیہ سلطنت کے زوال کو ٹالنے کے لیے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی، بعینہٖ روہیل کھنڈ کا یہ شاعر قصیدے کی صورت میں ہندوستانی سیاست کا نقشہ پیش کرکے شاہ ایران سے مع لاؤ لشکر ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی درخواست کرتا ہے اور وطن کو انگریزوں کے راج سے آزاد کرانے کی پرزور سعی وسفارش کرتا ہے۔

۱۸۰۱ء میں روہیل کھنڈ پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا تھا، ۱۸۰۱ء سے ۱۸۵۷ء کے درمیان کی مدت میں روہیل کھنڈ کے عوام وخواص انگریزوں سے کبیدہ خاطر رہے اور انگریزوں سے محاذ آرائی کی تدابیر اختیار کرتے رہے، بہ قول پروفیسر مول چند مورخ ہند "لارڈ منٹو اول کے عہد میں یعنی ۱۸۰۷ء میں روہیل کھنڈ میں فساد برپا تھا اور مقامی سردار امن وامان قائم کرنے میں ناکامیاب تھے" (تاریخ بدایوں (قلمی)، ص ۱۵۵)، ۱۸۰۳ء میں دہلی پر بھی انگریزوں کا کامل تسلط ہوگیا، اسی دوران شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۸۲۳ء) نے فتوی دیا کہ پورا برطانوی ہند دارالحرب ہے، یہ ہے وہ پس منظر جس میں یہ قصیدہ تصنیف ہوا۔

قصیدے کے اشعار بہ اعتبار مضمون بکھرے ہوئے ہیں، قصیدے کے مضامین ہندوستانیوں کے شخص، سماجی اور سیاسی انحطاط، بے کسی ومظلومیت، انگریز سرکار کے مکر اور ظلم، راہبوں کی بالادستی، شاہ ایران کی طاقت وعظمت اور ان کی ہندوستان کی جانب مراجعت پر مبنی ہیں، شاعر کے منتشر ذہن سے ان مضامین کی نمو ہوتی ہے اور بہ وجہ اضطرار واضطراب اشعار کی بہ اعتبار مضامین یک جائی قائم نہیں ہوتی، تاہم قصیدے کی ان فنی محرومیوں کے باوجود قصیدے کے اہم مقصد سے روگردانی نہیں کی جاسکتی، شاعر کی ہندوستان کے زبوں حالات سے باخبری، سرکار انگریز سے بیزاری اور

شاہ ایران سے فوجی مداخلت کی درخواست وہ نشانات ہیں جو آنے والے کسی سنگین واقعے کی طرف ذہن کو رجوع کرتے ہیں۔

شاعر، شاہ ایران کو ہندوستان کے تخت وتاج کے لائق سمجھتا ہے، کہتا ہے:

بیدار فرما بخت ہند، احساں بحال بخت ہند
بہر تو تاج وتخت ہند از بس سزاوار آمدہ

(ہندوستانیوں کے نصیب کو جگا اور اس کے برے حال پر بھلائی کر، تو ہی ہندوستان کے تخت اور تاج کے لائق ہے)

یک فوج آہن خار رواں، کن جانب ہندوستاں
بر در گہت ایں مدح خواں از بہر ایں کار آمدہ

(ایک زبردست رسالہ ہندوستان کی طرف روانہ کر، یہ ثناگو تیرے دربار میں اسی غرض سے آیا ہے)

بر ہند کن عزم غزا آتش بزن کفار را
بر ہند مردانہ کمر ہنگام اضرار آمدہ

(ہندوستان پر جہاد کا ارادہ کر اور کفار کو جلادے، کمر ہمت باندھ لے حرب وضرب کا وقت ہے)

سازد ز قندش پر دہاں گوید چو منہی ناگہاں
یاراں پئے ہندوستاں شاہم بہ قندھار آمدہ

(جب خبر دینے والا یہ بتائے گا کہ شاہ ایران ہندوستان کے ارادے سے قندھار پہنچ گیا تو اس کا منھ شکر سے بھر دیویں گے)

معلوم نہیں نوا کی اس درخواست کا شاہِ ایران نے کیا جواب دیا، حکومت ایران کی جانب سے کوئی مدد بھی نہیں پہنچی اور انگریزی سرکار رفتہ رفتہ پورے ہندوستان پر قابض ہوگئی اور شاہ دہلی ان کا وظیفہ خوار ہوگیا، شاعر کہتا ہے:

ہر کافر آتش سخن بے صرفہ در ہر انجمن
شعلہ زنِ ہر جان وتن، چوں آتشیں مار آمدہ

انگریز کی بالادستی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دردیدہ دہن کافر مار آتشیں کی طرح لوگوں کے تن بدن

کو جلاتے ہیں، غور طلب ہے کہ یہ دیدہ دہنی، زخم پر نمک پاشی کے مصداق تھی جس کے نتیجے میں
انتقامی جذبات کا پیدا ہونا گویا فطری بات تھی۔

نوا نے سرکار انگریزی کے مکر و فریب اور زر کشی کے رویے کے علاوہ راہبوں کی بالادستی کا
ذکر بھی کیا، اس حد تک کہ عالموں کی ردا کے بجائے راہبوں کی برنس یعنی بال دار ٹوپی کی منزلت
ہے، گویا انہوں نے منبر پر قبضہ کرلیا ہے (شعر ۱۲)، اس وقت یہ پہلو بہت اہم تھا کیونکہ ہندوستانیوں
کو اپنا مذہب خطرے میں دکھائی دے رہا تھا، بعد کو جب ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی ہوئی تو
مجاہدین کے سامنے تحفظ دین کا مقصد بھی تھا۔

قصیدے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں میں انگریزی سرکار سے مقابلے
کی طاقت ختم ہوچکی تھی، وہ شخصی اور سیاسی طور پر کمزور ہوچکے تھے، لوگ مذہب سے دور ہوگئے
تھے جو دین دار تھے، ان کی قسمت میں بھی پھانسی کی سزا تھی، لہٰذا اہل ایمان گوشہ نشیں تھے، معززین
کا یہ حال تھا کہ وہ ذلیل و خوار ہوگئے تھے، اس کے برخلاف نااہلوں کے پاس دولت کی فراوانی تھی،
سیاسی طور پر انگریز کا خوف اتنا طاری تھا کہ بہ قول نوا ؎

در خواب مرد بے خبر ، بیند فرنگی را اگر
آں را بصد عمر دگر مُسہل نہ درکار آمدہ

اس شعر میں نوا کا ہجویہ اسلوب نگارش بھی شامل ہے، جس سے اردو میں اس کی پہچان
ہے، یعنی اگر کوئی بے خبر مرد فرنگی کو خواب میں دیکھ لے تو اس کو آیندہ کبھی مسہل کی ضرورت نہ پڑے،
بعد کو اسی ڈر نے مدافعت اور بغاوت کا جذبہ پیدا کیا جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ظاہر ہوا۔

نوا نے ہندوستان اور ہندوستانیوں کی زبوں حالی کے پیش نظر راہ عافیت شاہ ایران
سے فوجی استعانت میں تلاش کی، انہوں نے شاہ ایران کی قوت و عظمت کی تعریف کی، ان کو شاہ
جمشید کی کلاہ کا مالک اور بارگاہ آسمانی کا چاند کہہ کر مخاطب کیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ
ہندوستان پر حملہ آور ہو کر یہاں کی بدامنی کو دور کرے۔

نوا بدایونی نے مذکورہ فارسی قصیدے میں انیسویں صدی کے پہلے عشرے میں جو حالات
قلم بند کیے، آج ان حالات کی نوعیت اس محاربہ عظیم کے آثار کی ہوگئی ہے، شاید صف شعرا میں وہ

پہلا شاعر ہے، جس نے اپنے فارسی قصیدے میں اصل واقعے سے قبل واقعے کے آشوب کو نظم کیا۔
قصیدے کا مکمل متن مع اردو ترجمہ نقل کیا جارہا ہے:

در ہند از بد گوہران آفت پدیدار آمدہ
شد سبز نخل فتنہ ہا ظلم و بلا بار آمدہ

بدذاتوں کی وجہ سے ہند میں آفت آگئی ہے، فتنوں کا درخت ہرا ہوا اور ظلم و بلا کے پھل آئے۔

مفتی است مفت ناکساں قاضی بقاضے شدگران
در عرصہ ہندوستان شاہی بستار (۶) آمدہ

مفتی نالائقوں کا زبردست ہے اور قاضی ایک روٹی میں مہنگا ہے، ہندوستان میں شاہی (۷) کی
قیمت ایک پیسہ سے زیادہ نہیں ہے۔

باطل رہ حق را زدہ شد مدرسہ آتش کدہ
ہر مسجد از جشن سدہ (۸) لبریز کفار آمدہ

باطل نے حق کی راہ زنی کی مدرسہ آتش کدہ بن گیا اور جشن سدہ کے دن مسجد میں کفار بھر جاتے ہیں۔

دارد ذہول (۹) اسلام و دین عزلت گزیں ہیں مومنین
ہر سر ز ارباب یقین تاج سردار آمدہ

اسلام اور مذہب کو بھول گئے ہیں اور ایمان والے گوشہ نشین ہیں اور یقین رکھنے والوں کے سر سولی
پر چڑھے ہیں۔

از غصہ پرخون شد جگر وزِہر تنور چشم تر
طوفان آتش را نگر زین رخنہ سرشار آمدہ

اس فساد کی وجہ سے جگر خون ہوگیا ہے اور آنکھوں سے گرم آنسو جاری ہیں۔

ایں آب آتش رنگ بیں در دیدہ ہائے مومنیں
ہر دل زجورِ مشرکیں از بسکہ افگار آمدہ

ایمان والوں کی آنکھوں میں خون کے آنسو نظر آتے ہیں، ہر دل مشرکین کے ظلم سے گھائل ہو رہا ہے۔

صد آب (۱۰) را در زیر ہشت ایں قوم کافر کیش زشت

ہرجا کہ نخل کینہ کشت آخر بہ اثمار آمدہ

اس بدرویہ کافر قوم نے جہاں لڑائی کی، سینکڑوں مکر کر کے فائدہ حاصل کیا۔

آب خرابات (۱۱) آبرو بردست (۱۲) از اہل وضو

ہر مسجد از جام و سبو ور نالہ زار آمدہ

مے نوشی کی کثرت نے اہل وضو یعنی خدا پرستوں کی عزت خاک میں ملادی اور مسجدیں جام وسبو (ساغر و مینا) کی جھنکار سے گریہ وزاری کررہی ہیں۔

ہرکس کہ بودہ است آب دارا کنوں است ایں مقدار خوار

نخل مراعات کبار از بسکہ بی بار آمدہ

جولوگ کہ پہلے صاحب عزت تھے بے حد ذلیل وخوار ہوگئے ہیں، اہل ثروت کی مرادیں بالکل پوری نہیں ہوتیں۔

بود آنکہ ذی لعل و گہر آبے ندارد در جگر (۱۳)

زر از برائے گاؤ خر قنطار آمدہ

جوصاحب ثروت تھے وہ مفلس وقلاش ہوگئے اور نااہلوں کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔

ہر کافر آتش سخن بے صرفہ در ہر انجمن

شعلہ زن ہر جان وتن چوں آتشیں مار آمدہ

ہر دریدہ دہن کافر ہر انجمن میں بلاوجہ اژدہوں کی طرح لوگوں کے تن بدن کو جلاتا ہے۔

برنس بدل شد باردا راہب بمنبر کرد جا

دردانہ ہائے سبحہ ہا ہر تار زنار آمدہ

عالموں کی ردا کے بجائے پادریوں کی ٹوپی ہے اور راہب نے منبر پر قبضہ کرلیا ہے، تسبیح کے دانوں میں جوڈورا پڑا ہے وہ تار زنار ہے (یعنی وہ ڈوری جو پادری اپنی کمر سے باندھتے ہیں)۔

باسنگ (۱۴) شدند اندر جوال از بخت ناميموں خصال

در ہند بر اہل جلال ایں روز بد بار آمدہ

ہندوستان کے بزرگ اپنی بدنصیبی سے عذاب میں مبتلا ہیں اور یہ زمانہ ان کے لیے بہت گراں ہے۔

باغی زبس گستاخ شد بریدہ بیخ وشاخ شد

خود آسمان سوراخ شد بردل از آن بار آمدہ

نافرمان لوگ بہت دلیر ہوگئے، لہذا جڑیں اور شاخیں کٹیں بلکہ آسمان سے ہی بلا نازل ہوئی اس سے ہم دل تنگ ہیں۔

احوال ہندوستاں زمن کن گوش اے شاہ زمن

در ہند و سند و ہم دکن رایت نگوسار آمدہ

اے بادشاہ وقت ہندوستان کا حال مجھ سے سنیے، ہندوسندھ حتی کہ دکن میں بھی مسلمانوں کے علم سرنگوں ہوگئے۔

برگیر اشہب را عناں وردہ فسانے برسناں

از روم تا ہندوستاں تیغ تو خوں بار آمدہ

گھوڑے کی باگ اور دھاروں کو تیز کر تیری تلوار تو روم سے ہند تک خون برسانے والی ہے۔

یاقوت (۱۵) از الماس (۱۶) ریز آتش زبرق توپ بیز

رمحت بہ میدان ستیز افعی خوں خوار آمدہ

تلوار سے دشمن کی خوں ریزی کر اور توپ کے گولوں سے آگ لگادے، میدان جنگ میں تیرا نیزہ خوں خوار سانپ کا کام کرتا ہے۔

بشکن صفوف مشرکین آفاق کن زیر نگیں

الطاف رب العالمین بخت ترا یار آمدہ

مشرکوں کی صفوں کو توڑ کر دنیا کو فتح کرلے کیوں کہ خدا کی مہربانی تیرے نصیبے کی مدد کرتی ہے۔

خطی سناں آور بکف کن سینۂ اعدا ہدف

بہر تو از شاہ نجف امداد بسیار آمدہ

خطہ کا یا سیدھا نیزہ ہاتھ میں لے اور دشمنوں کے سینوں کو نشانہ بنا شاہ نجف یعنی حضرت علی تیرے بڑے مددگار ہیں۔

از دشمن دیں خسروا خنجر زخنجر کن جدا

بہر تو افضال خدا اعوان و انصار آمدہ

اے بادشاہ دشمن دین کا گلا خنجر سے کاٹ، خدا کا فضل تیرا معین و مددگار ہے۔

اے آفتاب دادگر شام جہاں را کن سحر

روز سیاہ ذی ہنر رشک شب تار آمدہ

اے عادل سورج دنیا کی تاریکی کو اپنے طلوع سے روشن کردے، اہل ہنر کا زمانہ اندھیری رات سے بھی زیادہ تاریک ہے۔

اے شاہ جمشیدی کلہ وے ماہ گردوں بارگاہ

رعب تو برخیل و سپہ جانکاہ اشرار آمدہ

اے جمشیدی تاج کے مالک اور آسمان جیسی بارگاہ کے چاند، تیرے فوجی دبدبہ اور نظم سے شریروں کی جان نکلتی ہے۔

بیدار فرما بخت ہند احسان بحال سخت ہند

بہر تو تاج و تخت ہند از بس سزاوار آمدہ

ہندوستان کے نصیب کو جگا اور اس کے برے حال پر بھلائی کر، تو ہی ہندوستان کے تخت اور تاج کے لائق ہے۔

ہر ذرۂ کن کامیاب از شرق چوں خورشید تاب

تا گویدت ہر شیخ و شاب اشراق انوار آمدہ

شرق سے نکل کر سورج کی طرح ہر ذرے کو چمکا دے، تاکہ ہر بوڑھا اور جوان کہے کہ تو نوروں کے نکلنے کا مقام ہے۔

از لطف خاص حیدری در معرکہ کن صفدری

در طالع تو یاوری از فضل داوار آمدہ

حضرت علی کی مہربانی خاص سے لڑائی میں صفوں کو توڑ دے، تیرے نصیب میں اللہ کے فضل کی مدد ہے۔

تا شد حسود بے حیا پادار در روز وغا

بالع سر او شد قضا خنجر خریدار آمدہ

اگر بے حیا دشمن میدان جنگ میں ٹھہرا، تو قضا نے اس کا سر بیچا اور خنجر نے خرید کیا۔ (قتل ہوگیا)

اے خسرو انصاف خو بر فرق خصم زشت رو

ہر سطرے از منشور (۱۷) تو برندہ منشار (۱۸) آمدہ

اے منصف مزاج بادشاہ بدہیئت دشمن کے لیے، تیرے فرمان کی ہر سطر کاٹنے والے آرہ کی طرح ہے۔

اے شہریار کامگار آبے بجوئے ہند آر

اقبال ہندوستانیاں پامال ادبار آمدہ

اے حیات نصیب بادشاہ ہندوستان کے کام کو بنا کیوں کہ ہندوستان والوں کے اقبال کو ادبار نے روند ڈالا۔

در جوئے تست امروز آب از تشنگان رو را متاب

اے خسرو مالک رقاب آرام آوار آمدہ

تو کامیاب ہے اور پیاسوں سے منہ مت پھیر، اے گردنوں کے مالک میرا آرام گم ہوگیا۔

گوسالہ ہائے سحر زا کردند در شیر آب را

از تو کلیمی خسروا امروز درکار آمدہ

سحر سے پیدا کیے ہوئے بچھڑوں نے فریب دیا، حضرت موسیٰ کی طرح ان کا استیصال کردے۔

تدبیر ہندوستانیاں سودن بہادن آب (۱۹) دان

ہر یک ازیں بد جوہران بے ننگ و بے عار آمدہ

ہندوستانیوں کی تدبیروں کو بے فائدہ سمجھ، یہ سب بدذات بے شرم بے حیا ہیں۔

ایں ہندیانِ زن سیر از دہشت ہر گاؤ خر

چوں طوطی بے بال و پر بیرون زگلزار آمدہ

یہ زنانے ہندی ہر کس و ناکس کے ڈر سے، پرکٹے طوطوں کی طرح گلزار سے نکل بھاگے۔

خیل دکن ہست آں جہاں کز ہیبت ایں کافران

از فضلہ و زہر آب شان تر جملہ شلوار آمدہ

دکن کا گروہ ایسا بزدل ہے کہ ان کافروں کے ڈر سے ان کا پاجامہ نجاست سے تر ہے۔

در خواب مرد بے خبر بیند فرنگی را اگر

آں را بصد عمر دگر مسہل نہ درکار آمدہ

اگر کوئی بے خبر آدمی فرنگی کو خواب میں دیکھ لے تو اسے سو جنم تک جلاب کی ضرورت نہیں۔

باغی ست بے سرو سہی نام ورم شد فربہی

شد بیشہ از شیران تہی خنزیر سرکار آمدہ

ہندوستان کا باغ بغیر سرو کے ہے آماس کا نام تندرستی ہے کچھار (جنگل)، شیروں سے خالی ہوگیا سور سردار ہیں۔

روبہ امیری میکند گیدی دلیری میکند

سگ لولہ شیری می کند خر بچہ سردار آمدہ

لومڑی حاکم بنی ہوئی ہے نامرد بہادر بنے ہیں، لینڈی کتا شیر بنا ہے، گدھے کا بچہ سردار ہے۔

ایں جاست صعوہ جنگ جو عصفور شد شاہین خو

بوزینہ بے آبرو ہر سو سپہدار آمدہ

یہاں ممولے لڑاکو سمجھے جاتے ہیں اور چڑیاں باز ہوگئیں، ذلیل بندر ہر طرف سپہ سالار بنا ہوا ہے۔

ہر کس کہ بود آراستہ از ظلم شاں شد کاستہ

وز آستاں برخاستہ در کوئی و بازار آمدہ

ہر صاحب مال متاع ان کے ظلم سے زوال میں ہے اور گھر بار چھوڑ کر گلی کوچوں میں آوارہ ہے۔

صد باد درسر کافران دارند در ہندوستاں

ہر مشرک بے خانماں مکثار (۲۰) و مہذار (۲۱) آمدہ

ہندوستان میں کافر بہت مغرور ہوگیا ہے، ہر مشرک بے سامان بکواس کرنے والا اور بے ہودہ بولنے والا ہے۔

اے بادشاہ داد گر بار دل عالم نگر

ہر جان ازیں بار گراں یکسر بہ آزار آمدہ

اے منصف بادشاہ دنیا والوں کے دلی رنج کی طرف نظر کر، ہر شخص اس رنج و مصیبت سے کلیتاً

تکلیف میں ہے۔

یک فوج آہن خا (۲۲)، رواں کن جانب ہندوستاں

بردر گہت ایں مدح خواں از بہر ایں کار آمدہ

ایک زبردست رسالہ ہندوستان کی طرف روانہ کر، یہ ثنا گو تیرے دربار میں اسی غرض سے آیا ہے۔

زہرہ عدو را آب کن وز خون رواں سیلاب کن

ایں فتنہ را در خواب کن بخت تو بیدار آمدہ

دشمن کا پتہ پھوڑ دے اور خون کے دریا بہا دے، اس فتنہ کو فرو کر تو اقبال مند ہے۔

آب تو روشن در جہاں ہست از زمین تا آسمان

ہر آتش بستہ (۲۳) سناں گلدست (۲۴) کفار آمدہ

تیری عزت جہاں میں زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہے، ہر آتش بار نیزہ کفار کا ٹھکانہ ہے۔

برہند کن عزم غزا آتش بزن کفار را

برہند مردانہ کمر ہنگام اضرار آمدہ

ہندوستان پر جہاد کا ارادہ کر اور کفار کو جلا دے، کمر ہمت باندھ لے حرب وضرب کا وقت ہے۔

از ہندیان شام و سحر پائیں پرستی را نگر

وانگاہ پا تا بہ کشا (۲۵) کایں مژدہ زابرار آمدہ

صبح وشام ہندوستانیوں کی خدمت گاری کو دیکھ، وہاں پر قیام کر یہ خوش خبری بزرگوں نے بھیجی ہے۔

ہاں چارگام اسپ تاز اعدائے دین را در گداز

دست سیاست کن دراز اینت سزاوار آمدہ

گھوڑے کو تیز دوڑا کر دشمنوں کا استیصال کر اور تیرے بھی لائق ہے کہ تو سیاست کرے۔

روئے تو روشن چوں قمر رائے تو از خورشید تر

ہر پایہ تخت تو سراز چرخ دوار آمدہ

تیرا چہرہ چاند کی مانند چمکتا ہے اور تیری رائے آفتاب سے زیادہ نمایاں ہے، تیرے تخت کا ہر پایہ گردش کرنے والے آسمان سے بالا ہے۔

برخرمن عمر خسان تیغ تو برق جان ستاں

طبع تو بحر بیکراں دستت گہربار آمدہ

ناکسوں کی عمر کے خرمن کے لیے تیری تلوار جان لیوا بجلی ہے، تیری طبیعت لامحدود سمندر کی طرح ہے اور تیرا ہاتھ موتی برسانے والا ہے۔

ایوانت را بر چرخ پا کیواں ترا حاجب سرا

قہر تو اعدا را چولا بر نفی اعمار آمدہ

تیرے محل کا پایہ آسمان پر ہے اور زحل تیرے گھر کا دربان ہے، تیرا قہر دشمنوں کی جان کو نیست نابود کرنے والا ہے۔

در یاد تو اوراد خواں بر یاد تو چشم کسان

در خطبۂ ہندوستاں اسمت در اذکار آمدہ

وظیفہ پڑھنے والے تجھے یاد کرتے ہیں اور تیرے لیے لوگ منتظر ہیں اور ہندوستان کے خطبہ میں تیرا نام لیا جاتا ہے۔

کفار را تاراج کن دلہائے شان آماج کن

ایں قوم را اخراج کن ہنگام ایں کار آمدہ

کفار کو لوٹ لے اور ان کے دلوں کو نشانہ بنا، اب وہ وقت آگیا کہ تو اس قوم کو نکال دے۔

زن چارگامہ باد پا کاب روانت خسروا

جان و دل حساد را سوزندہ چوں نار آمدہ

گھوڑے کو دوڑا کیوں کہ اے بادشاہ تیرا جاہ وجلال حاسدوں کے دل اور جان کو آگ کی طرح جلانے والا ہے۔

ایں کافران را کن مقر (۲۶) در پائے ماچان (۲۷) سقر

در خلقت از آفات و شر خالق نگہدار آمدہ

ان کافروں کی قرارگاہ دوزخ کی تعذیب گاہ بنا، اللہ آفت و شر سے تیری پیدائش ہی سے تیرا نگہبان ہے۔

سازد ز قندش پر دہاں گوید چوں منہی (۲۸) ناگہاں

یاران پئے ہندوستان شاہم بقندہار آمدہ

جب خبر دینے والا یہ بتائے گا کہ شاہ ایران ہندوستان کے ارادہ سے قندھار پہنچ گیا تو اس کا منہ شکر سے بھر دیویں گے۔

از آب شمشیر دو سرکن موج زن بحر شرر

کایں ساعت رنج و ضرر از بہر فجار آمدہ

دودھاری تلوار سے آگ کا دریا بہادے کیوں کہ بدکاروں کے لیے اب سزا اور نقصان کا وقت آگیا۔

کن سیل خون چنداں رواں تا بشنوم از قدسیاں

کایں لاجوردی طیلساں (۲۹) ہم رنگ گلنار آمدہ

اتنا خون کا دریا بہادے کہ میں فرشتوں سے سنوں کہ آسمان کا رنگ گلنار ہوگیا۔

آغاز پا پیچیدنست (۳۰) انجام دشمن دیدنست

از باغ ہند اکنوں دے برچیدن خار آمدہ

اولاً دشمن کو شکست ہے اس کا انجام دیکھنا ہے، اب وقت آگیا کہ ہندوستان سے کانٹے نکالے جائیں۔

ہر جا کہ خون دشمنان ز آب (۳۱) روانت شد رواں

در چشم چوں لالہ ستاں صحرا و کہسار آمدہ

جس جگہ پر دشمنوں کا خون تیری چلنے والی تلوار کی دھار سے بہا، وہ جنگل اور پہاڑ لالہ زار دکھائی پڑتے ہیں۔

برقتل ایں بدمذہباں قسیس و رہباں راسگاں

عیسیٰ ابن مریم ہر زمان بہرت مددگار آمدہ

ان بے دینوں کے قتل کرنے میں جو پادریوں اور راہبوں کے کتے ہیں، حضرت عیسیٰ ابن مریم تیرے مددگار ہیں۔

حواشی

(۱) تاریخ بنی حمید، حمیدی خاندان کے اکابر کی تذکرہ نما تاریخ ہے جو بہ زبان فارسی بہ قید تاریخ و سنہ تصنیف کی گئی، اس کے مصنف مفتی شاہ محمد شرف حمیدی (ف ۱۹۱۲ء) ہیں، اس کا سال ترتیب ۱۸۸۹ء اور سال تکمیل ۱۹۱۰ء ہے، کتاب کے مصحح و محشی اور کاتب مصنف کے فرزند حکیم مفتی محمد یاسین شوق (ف ۱۹۳۸ء) ہیں، یہ غیر مطبوعہ ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے، راقم الحروف کا مجموعہ مضامین، نقد واثر، ص ۲۳۶ تا ۲۴۷ (دہلی ۲۰۰۴ء) ۔ (۲) تاریخ بنی حمید میں کتاب کا مکمل نام کتاب الانساب شرفاء البدایوں ہے، اس کے مولف ظہور اللہ خاں نوا اور ان کے بیٹے شیخ قربان علی تھے، اس کا تکملہ اعتصام الاعقاب کے نام سے مفتی محمد شرف علی حمیدی نے کیا تھا، یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے، پروفیسر ضیا احمد بدایونی نے اپنے مضمون کے ماخذ میں شجرۃ الانساب (از مولوی شیعہ حسنین) نامی کتاب کا حوالہ دیا ہے، یہ بھی غیر مطبوعہ ہی معلوم ہوتی ہے ۔ (۳) انیسویں صدی عیسوی میں بدایوں میں شعرائے اردو کا لکھا جانے والا یہ پہلا تذکرہ ہے، جس کا تاریخی نام انتخاب دہر ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) تھا، یہ ۱۸۴۸ء میں مکمل ہوا، یہ شعرائے ریختہ گو کا تذکرہ ہے، تاریخ بنی حمید میں جگہ جگہ اس کے حوالے ملتے ہیں، یہ بھی غیر مطبوعہ رہا، صاحب شمیم سخن نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے (ص ۲۴۳، مطبوعہ مراد آباد ۱۸۸۴ء)، اس کے مولف نفیس بدایونی مجاہد آزادی تھے، ۳؍جون ۱۸۵۸ کو انگریزوں نے بغاوت کے جرم میں گولی مار کر ہلاک کر دیا، تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مقالہ ''بدایوں میں اردو تذکرہ نویسی کی روایت انیسویں صدی میں''، مشمولہ نقد واثر، دہلی ۲۰۰۴ء ص ۱۸۳ تا ۱۹۹ ۔ (۴) پروفیسر ضیا احمد (ص ۲۹۳) اور مولوی تسلیم احمد خاں (ص ۱۰۹) نے اپنی کتب میں ان کا نام قربان حسن لکھا ہے، دراصل نوا کے بیٹے کا نام قربان علی تھا، پوتے کا نام قربان حسین اور پرپوتے کا نام قربان حسن تھا، قربان حسن کے بعد اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا (تاریخ بنی حمید، مطبوعہ ص ۲۳) ۔ (۵) مولوی سلیمان بدایونی نے اسے قصیدے کی سرخی دی ہے اور یہ عبارت بھی دی ہے:

''قصیدہ، در مدح شاہ جم جاہ، فلک بارگاہ، قضا دست گاہ، خلائق پناہ، فتح علی شاہ، والی ایران خلد اللہ ملکہ واقبالہ، در اول ملازمت گفتہ شد'' ۔ (ص ۲۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت مولوی سلیمان کی نہیں بلکہ جس مجموعہ فارسی سے انہوں نے قصیدہ اخذ کیا ہے یہ عبارت بھی اسی مجموعے کی ہے ۔ (۶) سنار تانبے کا سکہ ۔ (۷) شاہی ایرانی سکہ جو کتیس روپے پانچ آنہ کی برابر ہوتا ہے ۔ (۸) جشن سدہ، بہمن مہینہ کی دسویں تاریخ کو منایا جاتا ہے ۔ (۹) ذہول، غفلت، فراموشی ۔ (۱۰) آب زیر مشتن، فریب دینا ۔ (۱۱) آب خرابات، شراب ۔ (۱۲) آبرو بردن، بے عزت کر دینا ۔ (۱۳) آب در جگر نداشتن، مفلس ہونا ۔ (۱۴) بسنگ در جوال شدن، عذاب میں پھنسنا ۔ (۱۵) الماس سے مراد تلوار ۔ (۱۶) یاقوت سے مراد قطرات خون ۔ (۱۷) منثور ۔ (۱۸) فشار آرہ ۔ (۱۹) آب بہا دن سودن، بیکار کام کرنا ۔ (۲۰) مکثار، بہت بولنے والا ۔ (۲۱) مہذار، بے ہودہ بکنے والا ۔ (۲۲) آہن خاء، کنایہ از اسپ توانا و پر زور ۔ (۲۳) آتش بستہ، آتش بار ۔ (۲۴) گلدست، نشیمن ۔ (۲۵) پاتابہ کشادن، اقامت کردن ۔ (۲۶) جابے قرار ۔ (۲۷) پائے ماچان، تعذیب درویشاں، درویشوں کی سزا کا طریقہ، درویشوں میں یہ رسم ہے کہ اگر کسی درویش سے خطا ہو تو اس کو صف نعال میں کان پکڑ کر ایک پیر پر کھڑا کرتے ہیں ۔ (۲۸) منہی، خبر دینے والا ۔ (۲۹) طیلسان، ردا، چادر ۔ (۳۰) پا پیچیدن، ٹوٹنا اور کم زوری سے پیر میں پیڑ ڈالنا ۔ (۳۱) آب، تیزی تیغ یعنی تلوار کی دھار ۔

کتابیات

۱- از خاک بدایوں، شمس بدایونی، بریلی الیکٹرک پریس، بریلی ۱۹۸۵ء۔

۲- بدایوں ۱۸۵۷ء میں، مولوی محمد سلیمان بدایونی، انٹرنیشنل پریس، کراچی ۱۹۶۰ء۔

۳- تاریخ بنی حمید (قلمی)، مفتی شرف علی، سال تالیف ۱۹۱۰ء، مملوکہ راقم الحروف۔

۴- تاریخ بنی حمید، مولوی انشاء اللہ، امیر الاقبال پریس، بدایوں ۱۹۱۶ء۔

۵- تاریخ بدایوں (قلمی) مولوی تسلیم احمد خاں، سال تالیف ۱۹۸۳ سے پیشتر، مملوکہ راقم الحروف۔

۶- تاریخ ہندوستان، ایشوری پرشاد، انڈین پریس، الہ آباد ۱۹۲۸ء۔

۷- دستور الفصاحت، امتیاز علی خاں عرشی، ہندوستانی پریس، رام پور ۱۹۴۳ء۔

۸- مسالک ومنازل، پروفیسر ضیا احمد، نعمانی پریس، دہلی ۱۹۷۵ء۔

مولانا آزاد کی انقلابی فکر کا تشکیلی دور

جناب پروفیسر عبدالحق

بنی نوع انسان کی تاریخ میں بیسویں صدی فکری آویزشوں اور متصادم تصورات کے لیے ممتاز مقام کی حامل ہے، تاریخ کے کسی دور میں افکار کی یہ یلغار نہیں دکھائی دیتی اور نہ ہی فکر و عمل کے ایسے قیامت خیز منظر ہی نظر کے سامنے ہیں، ان کے موثرات بھی اتنی ہلاکت آفریں اور لامحدود وسعتوں تک کبھی نہیں پھیلے، بہ الفاظ دیگر ان کی زد میں آکر عالم آب و خاک سے آراستہ پوری روئے زمین آتش فشاں بن گئی، ایک نہیں دو عالمی جنگیں برپا ہوئیں، جنہوں نے وجود کائنات کو درہم برہم کرنے میں کوئی فروگذاشت نہ چھوڑی، ذی روح کا وجود بھی وہم و گمان بن گیا، اس ٹکراؤ میں مشرق و مغرب کا تلاطم ایک طوفان بے اماں تھا، پناہ گاہیں مفقود ہو چکی تھیں، ہر قوم اور ہر بشر سراسیمہ اور ہر بستی مرد غیب کی آمد کی منتظر اور نجات کے لیے دست بہ دعا تھی، مستجاب کی صورت نظر نہیں آرہی تھی، ایشیا ہلاکت کے دہانے پر تھا، مغرب کی طاقتیں فساد خلق برپا کرنے کی موجب تھیں، مشرق خاص طور پر مسلم ممالک بے دست و پائی کے لیے مجبور کر دیے گئے تھے، یورپی آقاؤں نے ان کے مقدر میں دربدری اور غلامی لکھ دی تھی، شاید ہی کوئی علاقہ ان کے فتنہ و فسوں سے محفوظ رہا ہو۔

مشرق از سلطانئ مغرب خراب

کی اندوہناک تصویر، نقش دیوار بن چکی تھی، ان حالات میں کسی مرد کار کا پیدا ہونا ایک ثقافتی اعجاز تھا، افغانستان کی سرزمین سے ایک مرد سالار پیدا ہوتا ہے جو آزادی و انقلاب کا جاں بخش پیغام لے کر ابھرتا ہے اور دیکھتے دیکھتے ایشیا و افریقہ کی سرزمین پر جاں بازی و جاں سپاری کی تمثیل بن کر

دہلی یونی ورسٹی دہلی۔

انگریزی اقتدار کے ایوانوں میں زلزلہ طاری کرتا ہے، وہ مشرق کے جان و تن میں حرارت اور حیات کا صور پھونکتا ہے، ان کے اردگرد جی جان کو قربان کرنے والے جیالوں کا جم غفیر جمع ہو جاتا ہے، لوح تقدیر پر لکھی ہوئی غلامی کی عبارت معدوم ہونے لگتی ہے، سید السادات جمال الدین افغانی آزاد سرزمین میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے آزادی کی نگہ داری اور پاس بانی کو بنی نوع انسان کا پیدائشی حق سمجھتے تھے، یہی پیغام تھا جو دونوں براعظموں کے باشندوں کے لیے بیاض مسیحا کے نسخۂ شفا سے کم نہ تھا، اس پیغام کی صداقت پر لبیک کہنے والے درماندہ انسانوں کی لاتعداد جمعیت جمع ہوگئی، کابل کی یہ آواز، بازگشت بن کر کلکتہ تک محسوس کی گئی، مولانا آزاد کلکتہ سے اور اقبال لاہور سے ان کے فکری کاروان میں شامل ہوگئے، ہندوستان کے ان دونوں علم برداروں نے سید افغانی سے پیمان وفا استوار کیا، فکر و نظر کے مصادر اور محور میں پیکر جمال کے موثرات موج زن ہوئے، دوسری طرف تہران سے طرابلس تک ایک ہلچل پیدا ہوئی، یورپ کا ابلیسی نظام ان سے متوحش تھا اور متفکر بھی، ان کے دائرہ اثر کو کم کرنے کے لیے ان کی تحریک کو بین اسلامی اصطلاح سے یاد کیا گیا، مولانا آزاد کی فکری ساخت اور ذہنی تشکیل میں غالب عنصر اسی تحریک کے اکتسابات ہیں، جمال ہم نشیں کے فیضان کو نظر انداز کر کے مولانا کی تفہیم یا تصویر بے آب و رنگ ہوگی۔

مولانا آزاد کے ابتدائی سات آٹھ سال مکہ شریف میں گزرے، انہوں نے ۱۸۹۵ء میں کلکتہ میں قدم رکھا، ایک جہان دیگر سے سابقہ پڑا، گھر کی چہار دیواری میں تعلیم و تربیت کے مرحلے طے ہوتے رہے، اپنے وجود و نمود کے ساتھ گرد و پیش کے حالات پر غور و فکر بھی ان کی صبح و شام کے وظیفے میں شامل تھا، ان کی بصیرت بڑی چشم کشا تھی، کثرت مطالعہ کے ساتھ علم کی آگہی بڑھتی رہی، درس نظامی کے نصاب کے ساتھ دوسری کتابیں کثرت سے مطالعہ میں شامل رہیں، کلکتہ آنے کے تقریباً ایک برس بعد ان کے والد دار فانی سے رخصت ہو چکے تھے، معقولات کے ساتھ عربی و فارسی ادب پر دست گاہ حاصل کی، شرح وقایہ، شمس بازغہ، جلالین، شرح ملا جامی، مطول، میر زاہد، تفسیر بیضاوی، مقامات، ایسا غوجی، مشکوٰۃ، قطبی وغیرہ کے ساتھ اور بہت سی کتابوں کے مطالعہ نے یادداشت اور ذہانت کو جلا بخشی، مزید مطالعے کے لیے ان کی طلب بڑھتی رہی، شرح ہدایہ، فتح القدیر، بحر الرائق، شرح قدوری، تفسیر احمد ملا جیون، حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ

بیسوں کلاسیکی کتابیں مطالعہ میں رہیں، جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے، محسوس ہوتا ہے تفسیر اور علوم تفسیر سے مولانا کو خاص شغف تھا، جو ہوسکتا ہے کہ ترجمان القرآن کی تحریر کا باعث بنا ہو، یہ حقیقت کسی بھی حال میں فراموش نہیں کی جاسکتی کہ ان تمام تصانیف کی حیثیت فروعی اور اضافی ہے، اصل کتاب جوان کی فکر ونظر کا سرچشمۂ فیضان ہے، وہ آخری صحیفہ سماوی ہے، مولانا کو پایانِ عمر تک قرآن کریم سے جو گرویدگی رہی ہے وہ کسی اور تنزیل وتخلیق یا تفکیر کے حامل سے نہ ہوسکی، اس کلام نے ان کی انقلابی فکر کو بڑی جولانی اور زندگی بخشی ہے اور ان کے تصورات کو جلال و جبروت سے ہم کنار کیا ہے، قرآن درونِ دل اور بیرونِ وجود میں انقلاب آفرینی کی جو دعوت دیتا ہے وہ بے نظیر ہے، اسی لیے استبدادی طاقتیں اس صحیفے سے وحشت زدہ رہتی ہیں، مولانا پر ہی موقوف نہیں ہے، عالم اسلام کے انقلابی داعیوں پر نظر ڈالیں تو باور کرنا پڑے گا کہ شیخ محمد عبدہ سے لے کر سید قطب شہید تک یا برصغیر میں شاہ ولی اللہ، سید جمال الدین، سرسید، علامہ اقبال، علامہ مشرقی، مولانا محمود الحسن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہر ایک کی فکر کا اصلی مصدر یہی تنزیل ہے، جس نے افراد کیا، کرۂ ارض کو انقلاب کے لیے آمادہ کیا ہے، انقلابی آیات کی تشریح و تفسیر میں مولانا کا قلم پیکار حیات کے لیے مجاہدہ ومجادلہ کی ترغیب میں صرف ہوتا ہے، قرآن نے یہ کلیہ قائم کیا ہے کہ آیندہ بھی مسلم معاشرہ میں کلام الٰہی سے صرف نظر کر کے کوئی بھی فکر ودانش وری کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس کا بھی امکان ہے کہ مولانا کی خطابت اور خطوط نگاری میں یہ تشریحی یا توضیحی اسلوب بھی اسی تفسیری تعلق سے پیدا ہوا ہو، منطق کے خاطر خواہ مطالعہ کا ہی فیضان ہے کہ ان کا طریق فکر خاصا مدلل اور سائنسی ہے اور اسی زاویۂ نظر نے بصیرت بخشی تھی، جس کے سہارے وہ آنے والے دور یا حادثات کی تصویر اپنی فکر کے آئینہ خانے میں دیکھنے کے عادی ہوگئے تھے، شیخ محمد عبدہ کی کتاب التوحید کے مطالعہ سے مولانا کو بہت کچھ حاصل ہوا تھا، صدرالدین قازانی، شریف رضی، ابن حزم، ابوبکر یحییٰ کی مشہور تصنیف "الملل والنحل" بھی نظر سے گزری، ان کتابوں کے مطالعہ نے ذہن کو روایات سے الگ سوچنے کے لیے دریچۂ دل کشادہ کیا، جولانیٔ طبع کا تقاضا بھی تھا کہ آنکھ بند کر کے قبول کرنا ان کے نزدیک زیادہ سودمند نہ تھا، قیام کلکتہ میں کتب فروشوں کی دکانوں میں کتب بینی اور کتابیں خریدنے کا بھی شوق پورا ہوتا رہا، بمبئی سے بھی کئی کتابیں منگا کر

مطالعہ کیا، امام غزالی، ابن رشد، خواجہ زادہ، عبدالرزاق، امام رازی وغیرہ، غرض جتنا پڑھ سکتے تھے، خوب پڑھا اور ذہن میں محفوظ رکھا، کیوں کہ حافظہ قیامت کا تھا، اردو ادب کی تاریخ میں دو اشخاص ایسے ہیں جن کے حافظے کی مثال نہیں ملتی، مولانا شبلی اور مولانا آزاد اور دونوں ایک دوسرے سے قربت قریبہ رکھتے ہیں، مولانا کے مطالعہ نے یاوری کی، ۱۹۰۱ء میں بمبئی کے قیام نے مزید مطالعہ کو مہمیز کیا، عبداللہ علم دوست بھی تھے اور تاجر بھی، مولانا آزاد ان کے ذخیرے سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے، یہاں رہ کر وہ بعض مشہور زمانہ کتابوں کے ترجمے کی طرف بھی مائل ہوئے، اس مطالعے سے مولانا کے دل میں انجمنوں اور علمی محفلوں کے قیام کا شوق بھی پیدا ہوا، جیسے "دارالاخبار" اور "الاصلاح" کے ساتھ، ذرا حوصلہ اور شوق دیکھیے کہ کم عمری میں ہی اخبار جاری کیا، جو "لسان الصدق" کے نام سے مشہور ہوا، مولانا ابھی پندرہ سولہ سال کے نوخیز نوجوان تھے مگر عزم وارادوں کی سربلندی سے سرشار تھے، یہ مولانا کی سیرت وشخصیت یا ذہنی وفکری تشکیل کی پہلی منزل تھی، بمبئی کے قیام سے ایک نیا عزم حاصل ہوا، ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء میں علامہ شبلی کے ساتھ "الندوہ" سے وابستہ ہوئے، شبلی کی گوہر بار شخصیت نے مولانا آزاد کی علمی قدردانی کی اور ان کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوئی، ان کی رفاقت نے مولانا آزاد کی تصنیفی اور تالیفی زندگی کو سنوارنے میں مدد کی، شبلی بہ ذات خود انقلابی فکر کے حامی تھے، انگریزی اقتدار کے خلاف صف آرائی میں پیش پیش تھے، انگریزوں کے خلاف شبلی اعلان جنگ کر چکے تھے، شبلی نے اردو میں بغاوت کی یہ پہلی آواز بلند کی تھی:

یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پہ ہوگا اس کا امتحاں کب تک
یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کب تک؟

اس مقصد کے لیے روم ومصر وشام کا سفر کر چکے تھے، اگرچہ دوسرے مقاصد بھی ہم راہ لے گئے تھے، شبلی کے اس سفر سے عین ممکن ہے کہ تین سال بعد انجام پانے والے آزاد کے سفر عراق وشام کو تحریک ملی ہو، یہ حقیقت ہے کہ لکھنؤ کے مختصر قیام اور "الندوہ" سے وابستگی آزاد کی

فکری وذہنی تشکیل میں نمایاں اہمیت رکھتی ہے، خود شبلی کے حلقۂ اثر میں ان کے شاگردوں کی ایک کہکشاں موجود تھی، ان میں سید سلیمان ندوی کا نام سرفہرست ہے، جو بعد میں آزاد کے ایک معاون اور معتمد کی طرح کام بھی کرتے رہے، وہ ہر طرح کے قلمی تعاون کے لیے تیار رہتے، اس کے علاوہ لکھنؤ کے علما اور ذی علم حضرات سے مولانا آزاد کے مراسم یا مباحث بھی مفید ثابت ہوئے، یہ شبلی کی تربیت گاہ تھی، ان کے فیضانِ نظر اور مکتب کی کرامت سے کتنے عہد ساز اشخاص علمی بلندیوں پر فائز ہوئے، ہماری علمی تاریخ ان کو آفریں کہتی ہے، شبلی کا اعتراف سنیے:

صد حرف راز بود نہاں در نگاہِ من

یہ آزاد کی خوش بختی تھی کہ شبلی کی موج نفس کے زیر سایہ آزاد کو نشوونمائے آرزو کا سنہرا موقع ملا۔

تشکیل کا سب سے مہتم بالشان دور مشرق وسطی کے سفر سے شروع ہوتا ہے، ۱۹۰۸ء میں عزم سفر کیا، وہ پہلے عراق پہنچے، چند دنوں کے قیام نے ایک نئی سیاسی آگہی بخشی، وہاں انقلاب کی ایک تحریک جاری تھی، نوجوان اور بزرگ سربراہوں کی ایک جماعت سرگرم کار تھی، ان سے مولانا کی ملاقاتوں اور تبادلۂ خیالات نے قلب ونظر کی دنیا میں سوز وتپش کی آگ روشن کی، وہ شام بھی گئے، بعد ازاں ترکی کے انقلابی علم برداروں سے رسم وراہ نے ایک نئے سمت کی نشان دہی کی، مصر پہنچے تو یہاں کی سیاسی سرگرمیوں نے مولانا آزاد کا استقبال کیا، مصطفیٰ کمال کے جیالے حامیوں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا، مولانا آزاد کے قلب وجگر میں ایک بجلی کوندنے لگی، ان سے ایک گونہ تعلقات استوار ہوئے، جو تادیر باقی رہے، ترکی مرد بیمار بن چکا تھا، مغربی ممالک نے جاں سوز سازش رچی تھی، سلطان عبدالحمید کے خلاف تحریک زوروں پر تھی، انہیں تخت وتاج سے دست بردار ہونا پڑا، خلافت کا تاروپود بکھر رہا تھا، مولانا آزاد نے لکھا ہے:

”جب میں عراق پہنچا تو بعض ایرانی انقلاب پسندوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، اس سے پہلے ایسی ہی ملاقات مصطفیٰ کمال پاشا سے ہو چکی تھی، اس کے ساتھ مجھے ان ترک نوجوانوں سے بھی ملنے کا موقع ملا، جنہوں نے قاہرہ کو اپنی تحریک آزادی کا مرکز بنایا تھا، وہ لوگ ایک ہفتہ وار رسالہ بھی نکالتے تھے“۔

مصر کا مختصر قیام مولانا آزاد کے لیے ایک نئی تحریک کا باعث بنا، یہاں کی تحریکوں نے آزاد کو بہت ہی متاثر اور مہمیز کیا، اس وقت اصلاحی تحریکوں کا غلغلہ عام تھا اور ایک پرشور لہجے کی آواز بانگِ رحیل بن چکی تھی، احیائے دین کی تحریکیں برگ وبار لا رہی تھیں، مغربی اقتدار کے خلاف نعرۂ آزادی بڑا ہی جنوں خیز تھا، یورپی سرمایہ دارانہ نظام کو بحر قلزم میں غرق کرنے کے لیے وہاں کے پیر وجواں کفن بردوش ہو چکے تھے، ترکی جوانوں کی انجمن اتحاد وترقی نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے ہی دم لیا، یہ کامیابی ایک طرح سے انگریزوں کی شکست بھی تھی، ۱۹۰۸ء میں یہ سارا منظر نامہ مولانا کے پیش نگاہ تھا، بلکہ وہ ایک مشاہد کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے، کشتی تجدید دین رواں ہو چکی تھی اور بحر احمر کے ساحل پر ایک نئے دور کے خواب کی تعبیریں حقیقت بن کر پردۂ شہود پر نمایاں ہو رہی تھیں، مولانا آزاد بھی تمکین اور طمانیت سے سرخوش تھے، کیوں کہ ان کامرانیوں اور نئے دور کی بشارتوں میں سید السادات جمال الدین افغانی کے اثر ونفوذ کی کارفرمائی بدیہی طور پر نمایاں تھی، اقبال ملول تھے کہ عجم میں ان کے افکار سے آتش کدہ روشن ہوا مگر عرب ابھی تک انقلاب آفریں صدائے احتجاج سے ناآشنا ہے۔

نوائے من بہ عجم آتش کہن افروخت

عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

لیکن سید جمال الدین کے پیغام سے جہان عرب رست خیز تھا، اسلامی اتحاد کی معنویت دلوں میں جاگزیں ہو چکی تھی، انگریزی غلامی کے خلاف بھی سینہ سپر ہو چکے تھے، مرکزی حرارت کا مدار مصر میں عالم تاب ہو رہا تھا، سید جمال الدین کی وفات (۱۸۹۷ء) کے بعد ان کے مشن کی تاب وتوانائی کو آگے بڑھانے والے مشعل بردار وجاں باز شاگردوں کی فوج جمع تھی، ان کی قیادت شیخ محمد عبدہ (۱۸۴۵-۱۹۰۵ء) انجام دے رہے تھے، بہت ہی قلیل عرصے میں انہوں نے اس تحریک سے وابستہ انسانوں کو نور ونظر سے معمور کر دیا تھا، شیخ کی وفات کے بعد سید محمد رشید رضا (۱۸۶۵-۱۹۳۵ء) نے قیادت کی کمان سنبھالی، یہ شیخ کے تربیت یافتہ اور براہ راست فیضان رسیدہ تھے، شیخ کو ان پر بڑا اعتماد تھا اور انہوں نے حق بھی ادا کیا، رشید ومرشد کے مراسم ہماری تاریخ میں مثال کی حیثیت رکھتے ہیں، استاذ کے نقش قدم پر یہ تحریک رواں دواں تھی،

چاروں طرف ایک غل پڑا تھا، لگتا تھا جیسے مرکز عالم جنبش میں ہو اور چیرہ دستوں کے لیے فطرت کی تعزیریں یوم حساب کی طرح روبرو ہوں۔

یہ وہی رشید رضا ہیں جن سے مولانا آزاد متاثر ہی نہیں مرعوب ہیں اور ممنون بھی، رشید رضا کی شخصیت اور ان کی تحریک سے مولانا آزاد نے سب سے زیادہ اکتساب کیا، بلکہ یوں کہیے کہ ان کے لیے رشید رضا مثالی پیکر کی حیثیت سے ناگزیر بن چکے تھے، عالم اسلام کے کسی دوسرے رہنما سے مولانا آزاد کے نہ ایسے تعلقات بن پائے اور نہ ہی مولانا نے کسی کی رہبری قبول کی، مولانا جو انتہائی انا پسند اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے پر یقین رکھتے تھے، کسی کی پیروی ان کے لیے کلمۂ کفر سے کم نہ تھی، مگر مولانا کی جبین ناز رشید رضا کے لیے سراپا نیاز بن جاتی ہے، وہ مخدوم و مرشد بھی ٹھہرے اور قائد بھی اور پھر رشید رضا کی تحریک کے علم برداروں سے مولانا نے بہت کچھ حاصل کیا۔

سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

رشید رضا سے مولانا کی خط و کتابت بھی ہوتی رہی اور اس کے ذریعہ تبادلۂ خیالات بھی ہوتا رہا، دونوں کے درمیان مصر و ہند کا فاصلہ معدوم تھا، مشن ایک تھا، مقاصد بھی مسلم تھے، دونوں کا منظر نامہ مختلف تھا، رشید رضا کے مخاطب انہیں کے ہم مشرب و ہم راز تھے، مولانا کے مخاطب مسلم تھے اور غیر مسلم بھی، جو کثرت میں بھی تھے، مولانا کی راہ عمل بہت مشکل اور خار دار تھی اور ہر طرح کی آزمائشوں سے بھری ہوئی، اپنوں کی خفگی اور بے گانوں کی ناخوشی ہمیشہ دامن گیر رہی۔

رشید رضا تحریک کو زندہ و جولاں رکھنے کے لیے ایک رسالہ "المنار" کے نام سے نکالتے تھے جو انقلابی فکر کا ترجمان تھا اور عرب عوام میں بے حد مقبول بھی تھا، مولانا نے واپسی پر اسی طرز پر رسالہ جاری کیا، رشید رضا نے تفسیری درس و تدریس کے ساتھ المنار میں تفسیر و حدیث کو خبروں اور تحریکی سرگرمیوں کو پابندی سے شامل اشاعت کیا، مولانا نے بھی اسی طرز پر اپنے رسالے کی بنیاد رکھی، واپسی پر حزب اللہ جماعت بھی قائم کی جو ایک خفیہ دینی تحریک تھی، رشید رضا نے "مدرسہ دار الدعوۃ والارشاد" قائم کیا تھا، مولانا نے بھی "دار الارشاد" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، محمد عبدہ کے منشور میں دین و سیاست جدا نہ تھے، مولانا کا بھی یہی طرز عمل اور نقطۂ نظر تھا، جب کہ ہندوستان

کے بعض علما سیاست سے دور رہنا چاہتے تھے، مولانا آزاد یہ اصول دل میں اتار کر آئے تھے کہ دین سے سیاست ہے اور دونوں کے امتزاج سے ہی اسلام عبارت ہے، تقدیم دین کو ہے۔

ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا ایک ثمر

ان عرب ممالک کے سفر اور وہاں پر جاری تحریکوں کے قائدین اور پیروں نے مولانا آزاد کے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا کیا، وہ انقلابی جماعتوں کے افکار سے بہت زیادہ سرشار ہو کر واپس لوٹے، مگر ان کے فیضان کو فراموش نہ کر پائے، رشید رضا کی پیروی میں لائحہ عمل مقرر کیا، جولائی ۱۹۱۲ء میں "الہلال" جاری کیا، پہلے ہی شمارے کے سرورق پر سید جمال الدین افغانی کی تصویر بہت نمایاں کر کے شائع کی، اندرون اخبار شیخ محمد عبدہ کی تصویر شائع ہوئی اور ساتھ ہی رشید رضا کی تصویر بھی ہے، ان کے لیے تین صفحے کا ایک تعارفی مضمون بھی اس شمارے میں شائع ہوا، ذرا تعظیمی عنوان ملاحظہ ہو:

"العلم العظیم و المرشد العظیم السید محمد رشید رضاء الحسینی الطرابلسی"

دوسرے شماروں میں بھی ان کی تعریف و تحسین ہوتی رہی، ان کے خطوط بھی شائع ہوتے رہے، اس نیاز مندی کے ساتھ ان کی تحریک کے شانہ بہ شانہ ہندوستان میں تحریکی سرگرمیوں کا جاری رکھنا مولانا آزاد کی اولیات میں شامل تھا، ان واقعات کی روشنی میں آزاد کے انقلابی تصورات کے سرچشموں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے، آزاد شناسی میں ان مصادر پر ابھی مزید کام کرنے کی ضرورت ہے، بیس یا اکیس سال کے ایک نوجوان کے نقطہ ہائے نظر اور اس کے سرچشموں تک رسائی کے بغیر ان کی شخصیت کے نہاں خانے کو سمجھنا ناممکن ہے، فکری تشکیل میں یہ عوامل بہت ہی معنی خیز اور فکر انگیز نتائج کے حامل ہیں۔

۱۹۰۹ء میں ہندوستان لوٹے، یہاں کی سیاسی فضا گرم ہو رہی تھی، پہلی دہائی کے کچھ واقعات خاص توجہ چاہتے ہیں، کانگریس کی تحریک آزادی پندرہ سال بعد ایک نئے دور میں داخل ہو چکی تھی، اس میں نیا خون اور نئے تصورات شامل ہو رہے تھے، ملک کے ہر علاقے میں آزادی کے متوالے سرگرم تحریک تھے، اس سے قبل یعنی انیسویں صدی کے اختتام پر آپسی انتشار کو ہوا دی

جا چکی تھی، اردو ہندی کا قضیہ شروع ہو چکا تھا، کانگریس کے اجلاس میں گئو کشی کا مسئلہ سامنے لایا جا چکا تھا، غرض قوموں کے درمیان منافرت کی آگ کو بھڑکانے کی کوشش بھی جاری تھی، ان حالات میں دونوں قوموں کی باہمی محبت اور اتحاد پر آزادی کی خاطر زور دیا جانا ایک فطری عمل تھا، ۱۹۰۵ء میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آچکا تھا، اسی دوران تقسیم بنگال کا اعلان کیا جا چکا تھا، جس سے مسلم آبادی کے علاقے کو کچھ معاشی فائدے کا امکان پیدا ہو رہا تھا، مگر اس کے خلاف تقسیم کو رد کیے جانے کی تحریک بھی شروع ہوگئی، برطانوی حکومت نے تقسیم کے اپنے فیصلے کو مسترد کر دیا، جس سے مسلمانوں کی ناراضگی ظاہری بات تھی، یہ ۱۹۰۷ء کی بات تھی، دوسری طرف انگریزی حکمراں انتقامی کارروائی کے لیے کمربستہ ہوگئے تھے، جانوں کا زیاں جاری تھا، قوموں کے درمیان تفریق کی حکمت عملی تیار کی جا چکی تھی، بیشتر رہ روانِ آزادی اس حکمت سے باخبر ہو چکے تھے، وہ قومی اتحاد کا سبق دلوں میں اتارنا چاہتے تھے، آزاد کے معاصرین بھی صف در صف اس کوشش میں سرگرداں تھے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اور

محبت سے ہی پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

یا ''مذہب نہیں سکھاتا......'' وغیرہ کے شعری تخلیق کا یہی پس منظر ہے، اقبال یورپ سے واپس آئے تو مغرب کے خلاف حقارت بھری آواز لے کر آئے۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

یا یہ تاکید بھی اسی غم و غصے کی علامت ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی۔

فکر کی تشکیل و تربیت میں عبقری ذہن رکھنے والے اردو ادیبوں اور دانش وروں کو سفر نے جو فیضان بخشا ہے وہ عدیم المثال ہے، غالب کا سفر کلکتہ، سرسید کا سفر لندن، شبلی کا سفر روم و

مصر و شام، اقبال کا سفر یورپ اور آزاد کا سفر عراق و شام و مصر نے ان رہ نوردوں کے قلب و نظر کی دنیا کو نئی آگہی بخشی ہے، ان کی فکری سرگزشت میں جو تبدیلی پیدا ہوئی وہ قابلِ غور ہے، اس سے ''سیروفی الارض'' کی ابدی حقیقت منکشف ہوتی ہے، خود مولانا آزاد کے اسفار حرم کعبہ سے کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ، کراچی اور مشرق وسطیٰ پھر قیام دہلی کے ساتھ ملک کے دوسرے مقامات نے ان کے افکار کی دنیا کو بڑی وسعتوں سے ہم کنار کیا، سچ تو یہ ہے:

سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

مولانا آزاد بھی بڑے تحریکی سفر کے لیے تیاری کر رہے تھے کہ ملک میں انگریزی شکنجے آمریت میں تبدیل ہونے لگے تھے، پریم چند کی کتاب ''سوزِ وطن'' ضبط کی جا چکی تھی، اظہار کی آزادی مسلوب تھی، برطانوی سامراج بنگال کی تقسیم کے فیصلے سے منحرف ہو چکا تھا، یورپ کی جابرانہ آمریت مشرق وسطیٰ پر دراز دستی کر رہی تھی، یورپ میں اسپنگلر کی معرکتہ الآرا کتاب ''زوال مغرب'' پاپائی ثقافت کی پامالی کا مژدۂ جاں فزا سنا رہی تھی، یورپ کی مشرقی ریاستوں کے مابین نزاعی صورت حال سے تشویش ہو رہی تھی، ہندوستان میں تحریک آزادی کے علم برداروں کی قید و بند اور سزائیں مقدر بن چکی تھیں، مختلف ریاستوں کو وفاداری کی حلف برداری پر مجبور کیا جا رہا تھا، علامہ شبلی کی احتجاجی نظمیں:

تازگیٔ بدر و حنین از تو ہست

پردۂ تخلیق میں پرورش پا رہے تھے، مولانا آزاد کی واپسی پر فضا گرم تھی اور برق و بخارات کی شدت محسوس کی جا رہی تھی کہ عالمی منظرنامے میں آتش فشاں پھوٹ پڑا، جنگ بلقان کے ساتھ روس کا ایران کی شمالی سرحدوں پر غاصبانہ قبضہ، امت مسلمہ کے لیے حرب و ضرب کی دعوت دے رہا تھا، قلب مسلماں میں ایک اضطراب برپا تھا، اقبال کی نظم شکوہ اور شمع و شاعر کے ساتھ دوسری نظمیں اسی دو نیم کیفیات کی مظہر ہیں، مولانا آزاد کا قلب حزیں بھی اس آتش سوزاں سے جھلس رہا تھا، اشہب قلم کو تازیانہ لگانے کی دیر تھی، ''الہلال'' کا اجرا ان کے جذبۂ جوش و جنوں کی دل دوز کہانی کا حرف آغاز تھا، شاہی ایوان و محل ہراساں و لرزاں ہونے لگے اور عوام جذبۂ جہاد کے لیے آمادہ نظر آئے، ملک کے گوشے گوشے سے ''الہلال'' کے لیے آفریں باد کی صدائیں بلند

ہوگئیں، جنگ طرابلس کے لیے نعرۂ جہاد اس اخبار کا دستور بن گیا تھا، مولانا آزاد کی شعلہ صفت شخصیت کا تعارف جنگ طرابلس سے بڑی گہری نسبت رکھتا ہے اور ''الہلال'' مولانا کو خاص و عام میں متعارف کرانے کا سبب بنا، ساتھ ہی یہ اخبار ان کی امنگوں کا سفیر بھی تھا، اشاعت اول سے ہی سینۂ اغیار میں خار بن کر کھٹکنے لگا، دنیائے اسلام کی دل دوز خبریں شائع ہوتیں، ''واعتصموا بحبل اللہ'' اور ''العروۃ الوثقی'' کی اپیل بھی کی جاتی جو سید جمال الدین کا دعوتی دستور تھا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر

مولانا آزاد کی فکر رسا میں وسعت خیال کی ایک کائنات تھی جس میں تمام توجہ یا تخاطب بنی نوع بشر سے ہے اور اس نقطہ نگاہ سے وہ کبھی دست بردار نہیں ہوئے، وہ اس عالم گیر تصور کے جواز کے لیے صحف سماوی کی آخری تنزیل سے دلیل فراہم کرتے ہیں، سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت کریمہ کی تفسیر میں ربوبیت کی پہنائیوں کا والہانہ تذکرہ اسی آفاقی حقیقت کی معجز نمائی ہے، یا کلھم عباد اخوۃ تمام انسان بھائی بھائی ہیں، مولانا آزاد کے ان تابناک تصورات کی تمثیل بڑے سے بڑا مدبر بھی پیش نہ کرسکا، زنداں میں یہی ان کا تزکیہ اور تفکر تھا، جب کہ دوسرے رہنما ''سچائی کی تلاش'' یا ''تلاش ہند'' کے وسیلے سے عہد رفتہ کی باز آفرینی میں سرگرداں تھے، روشن خیالوں کی ماضی پرستی مستقبل کے امکانات کی متحمل نہ ہوسکی، جب کہ آزاد کی نظر بنی نوع انسان کے آفاقی نظام پر مرتکز تھی جسے عملی طور پر جمعیت اقوام اور جمعیت آدم کے پائدار اتحاد میں محسوس کیا گیا، اس جمعیت کے باب محراب پر یہی تصور کندہ کیا گیا جسے جمال الدین افغانی کے اجداد نے صدیوں سال پہلے آدم خاکی کی انجمن کے پیشانیٔ جمال پر صبح درخشاں کی تابندگی کے لیے تخلیق کیا تھا

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

اخبار علمیہ

دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامی فن تعمیر اور دیگر فنون اسلامی کی نمائشوں کے سلسلے میں لاہور میں بھی ایک نمائش ہوئی جہاں نیشنل کالج آف آرٹس میں اسلامی خطاطی پر ایک جامع نمائش کا اہتمام کیا گیا، جس میں خط کوفی سے لے کر جدید مصورانہ خطاطی تک کے عمدہ نمونے تدریجی ارتقا کے ساتھ پیش کیے گئے، سب سے زیادہ قابل ذکر قرآن پاک کا وہ نسخہ ہے جو سترہویں صدی کا تحریر کردہ ہے اور انتہائی باریک خط میں جہازی سائز کے ایک ہی صفحہ میں مکمل کرلیا گیا ہے، نمائش میں اگرچہ عرب و ایران میں نشو و نما پانے والے مدرسہ ہائے خطاطی کے نمونوں کا احاطہ کیا گیا ہے تاہم خط نستعلیق کے دیگر انتہائی نادر نمونے اہل ذوق کی توجہ کا مرکز ہیں، یہ قابل ذکر ہے کہ خط نستعلیق کا فن اگرچہ ایران میں شروع ہوا لیکن ہندوستان میں اس کا تعارف عہد مغلیہ میں ہی ہوچکا تھا اور یہاں کے خطاطوں نے اس میں نئی جہتیں پیدا کی تھیں۔

سعودی حکومت نے لڑکیوں کے لیے نورا بنت عبدالرحمان نامی یونی ورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے، اس میں فارمیسی مینیجمنٹ اور کمپیوٹر سائنس کے علاوہ مختلف زبانیں بھی پڑھائی جائیں گی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ سعودیہ عربیہ میں یہ طالبات کے لیے اولین یونی ورسٹی ہوگی اور اس کا انتظام و انصرام مکمل طور پر خواتین کے ہاتھ میں ہوگا، توقع ہے یہ جدید یونی ورسٹی دو سال میں مکمل ہوجائے گی، ڈھائی کروڑ آبادی والے اس ملک میں طالبات کے لیے سرکاری اسکول اور چند پرائیویٹ کالج ہیں، جدید تعلیم نسواں کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے اس قسم کی یونی ورسٹی کے قیام کی سخت ضرورت تھی۔

انڈونیشیا کی ساڑھے تیئیس کروڑ آبادی میں ۹۵ فیصد مسلمان ہیں اور یہ دنیا کا سب سے کثیر آبادی والا اسلامی ملک ہے، یہاں کی مجلس قانون ساز نے فحش نگاری کے مخالف ایک قانون بنایا ہے، جس کی بعض نام نہاد آزاد خیال تنظیموں نے مخالفت اور اسلامی جماعتوں نے حمایت کی ہے، اس قانون کی زد میں فحش تصاویر، فحش گفتگو اور ناموزوں و غیر شائستہ اشارے بھی

ہیں، اسلامی تنظیموں کا کہنا ہے کہ معاشرے کو جنسی بے راہ روی اور سماجی بربادی سے بچانے کے لیے ایسے قانون کی سخت ضرورت ہے، مخالفین کی نظر میں اس قانون میں فحاشی کی تعریف غیر واضح اور مبہم ہے جس سے اندیشہ ہے کہ فن کاروں اور حقوق نسواں کے علم برداروں اور اقلیتوں کے آزادانہ اظہار فن کو نشانہ بنایا جائے گا۔

عرب نیوز کی اطلاع ہے کہ سعودی عرب کی نصابی کتابوں کی قیمت میں بے تحاشا اضافہ کے باعث وہاں کے لوگ پرانی نصابی کتابیں خریدنے پر مجبور ہوگئے ہیں، بعض غیر سرکاری مدرسوں میں درجہ اول و دوم میں کتابوں کی قیمت دو ریال سے زیادہ ہے، ایسی صورت میں اگرچہ پرانی کتابوں کی فروخت میں اضافہ ہوا ہے اور سرپرست ارزاں قیمت پر کتابیں پاکر مطمئن ہیں لیکن مستعمل کتابوں سے بعض نقصانات بھی ہیں، مثلاً عملی مشق و تمرین کے خانے پہلے سے پُر ہیں اور سعودی عرب میں گرانی اور اس کے اثرات کی یہ مثال واقعی دل چسپ ہے۔

یہ خوشی کی خبر ہے کہ دربھنگہ، بھوپال، بنگلور اور نوح (ہریانہ) میں مولانا آزاد اردو یونی ورسٹی کے علاقائی مراکز کے لیے مختلف اداروں اور مخیر حضرات نے بیش قیمت زمینوں کا عطیہ دیا ہے، مثلاً فوزیہ تحسین احمد رکن قانون ساز کونسل (مہاراشٹر) نے، اورنگ آباد میں ۱۵؍ ایکڑ اراضی دینے کا اعلان کیا ہے، جہاں بی ایڈ اور پالیٹکنک کالج کے علاوہ ماڈل اسکول بھی قائم کیا جائے گا، انہوں نے یہ پیش کش محض اردو کی خدمت کے جذبہ کے تحت کی ہے، محترمہ فوزیہ نے مہاراشٹر کے ضلع پربھنی میں جہاں اردو کے بہی خواہوں کی خاصی تعداد ہے، اردو یونی ورسٹی کی سرگرمیوں کو وسعت دینے کی خواہش ظاہر کی ہے، پرو وائس چانسلر پروفیسر اقبال احمد نے بتایا کہ یونی ورسٹی، پربھنی میں پیشہ ورانہ کورسز شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، رپورٹ کے مطابق یونی ورسٹی کے فاصلاتی نظام تعلیم سے متعلق طلبہ کی مجموعی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہو چکی ہے اور عمدہ پہلو یہ ہے کہ اس میں ۵۵ فیصد خواتین ہیں۔

انگریزی رسالہ ''کرسچین سائنس مانیٹر'' کے مشہور کالم نویس والٹر روڈرگز نے اپنے مضمون ''عراق کو کون لائے گا علمی دنیا میں'' میں لکھا ہے کہ عراقیوں کے لیے دو چیزیں انتہائی اہم ہیں، ایک ان کی خاندانی شناخت اور دوسرے بچوں کی تعلیم و تربیت، امریکی یلغار اور قبضہ نے

عراقیوں کی ذہنی، فکری، جسمانی، معاشی اور اقتصادی صلاحیتوں کو گویا سلب کردیا ہے، ان کی موجودہ حالت سے تو لگتا ہے کہ ان کو اپنی فطری زندگی کی طرف لوٹنے میں ایک عرصہ درکار ہوگا، اپنے اس مضمون میں انہوں نے لکھا ہے کہ جس طرح فلسطین پر اسرائیل کے قبضہ و تسلط نے فلسطینی بچوں کو تعلیم سے محروم کررکھا ہے اور ان کے فکری اور ذہنی میلان کو شدت پسندی کی جانب موڑ دیا ہے، عین ممکن ہے کہ امریکہ نے بھی اسی طرح عراقیوں کو تعلیم سے محروم کر کے جہالت و انتہا پسندی کے غار میں گرادینے کا منصوبہ بنایا ہو۔

آسٹریلیائی سائنس داں ایسی ٹوپی بنانے میں مصروف ہیں جس کو پہن کر انسان کی خفیہ صلاحیتیں بیدار ہوسکتی ہیں، جدید تحقیق کے مطابق اس ٹوپی کے اندر ایسے برقی آلات نصب ہیں جو ذہن کے بعض حصوں کو بند اور بعض کو کھول سکتے ہیں، محققین کا کہنا ہے کہ اس کا مقصد اعلا اور خفیہ انسانی صلاحیتوں کو ایسے وقت میں بروئے کار لانا ہے جب ان کی ضرورت ہو، اس میں چھوٹے چھوٹے مقناطیسی آلے لگے ہیں جو ذہن و دماغ کی لہروں کو متاثر کرتے ہیں، ابھی یہ تحقیق ابتدائی مرحلہ میں ہے لیکن بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ذہن کے تعاملات اس قدر پیچیدہ ہیں کہ انہیں اس قسم کی مشین کے ذریعہ حسب منشا قابو میں لانا بہت مشکل ہے۔

فلسطین کی سرحد کے قریب ایلہ کے علاقہ میں عبرانی زبان کی ایک قدیم تحریر پائی گئی ہے، اس کے بارے میں ماہرین آثار قدیمہ کا کہنا ہے کہ ایلہ کا علاقہ حضرت داؤدؑ سے منسوب ہے اور یہ تحریر اسی عہد داؤدی کی یادگار معلوم ہوتی ہے، بیت المقدس یونی ورسٹی کے شعبہ علم الاثریات کے پروفیسر یوسف گارفنگل کا کہنا ہے کہ ان کی تحقیقاتی ٹیم کی یہ دریافت دنیا کی سب سے قدیم عبرانی تحریر کی دریافت ہے لیکن ابھی اس عبارت کو پوری طرح پڑھا نہیں جاسکا ہے، اس میں جج، غلام اور بادشاہ جیسے الفاظ ہی سمجھ میں آسکے ہیں، انہوں نے مزید کہا کہ یہ تحریر اصلاً کنعانی خط میں ہے جو تمام حروف تہجی کی اصل ہے، توقع ہے کہ آیندہ لسانیات کے موضوع پر اس تحریر سے کئی اہم باتیں سامنے آئیں گی۔

ک۔ص اصلاحی

روداد شاہ ولی اللہ سمینار

حافظ محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

قریب ۶۰-۷۰ سال پہلے مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہر پہلو پر جس تفصیل سے لکھنے کو جی چاہتا ہے اس کی فرصت نہیں، مگر ان کو یہ احساس برابر رہا کہ شاہ صاحب کے متعلق جتنا بھی اور جس قدر مختصر سے مختصر بھی لکھا جاسکے وہ فائدے کے لحاظ سے مختصر نہیں، اصل یہ ہے کہ علوم شاہ ولی اللہ کا جوہر صرف اور صرف فکر اسلامی کا احیا تھا، قرآن، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ، تصوف اور ادب پر صدیوں کی جمی ہوئی گرد کو انہوں نے صاف ہی نہیں کیا بلکہ آیندہ زمانے کے بدلتے ہوئے چہرے اور نئی فضاؤں کے احساس وادراک کا پتہ بھی دیا، ان کی فکر بلند کا اندازہ علامہ شبلی کے اس اعتراف وشہادت سے کیا جاسکتا ہے کہ ”شاہ صاحب کی نکتہ سنجیوں کے آگے، غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے“ اس تمام فضیلت کے باوجود شاہ صاحب کی شخصیت اور ان کی مایہ ناز تالیفات سے جس اعتنا کی امید اور ضرورت تھی، افسوس ہے وہ نظر نہیں آتا، یہ علمی جمود واقعتاً تکلیف دہ تھا اور شاید یہی احساس تھا جس نے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبہ علوم اسلامیہ کے نام ور اور فاضل ولائق پروفیسر جناب یاسین مظہر صدیقی کو علوم شاہ دہلوی کے مطالعہ بلکہ احیاء کی جانب متوجہ کیا اور انہوں نے شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل کے قیام کے ذریعہ ایک وسیع منصوبے کے تحت اس قرض کی ادائیگی کی فکر کی، گذشتہ دس برسوں میں انہوں نے اسی مقصد سے بڑے تسلسل اور استقامت کے ساتھ اپنے شعبہ میں ہر سال شاہ صاحب کی سیرت و شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کے کسی نہ کسی پہلو پر علمی مذاکرے منعقد کیے، وہ وظیفہ یاب ہوئے تو اندیشہ تھا کہ یہ سلسلہ کہیں رک نہ جائے لیکن ان کے جانشینوں، پروفیسر عبدالعلی اور پروفیسر سید حسن نے اس سنت حسنہ کو جاری رکھا، موجودہ صدر شعبہ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے بھی تقلید و

اتباع میں اس سال ۱۴-۱۵؍ نومبر کو بڑے اہتمام سے سمینار کا انعقاد کیا، یہ گویا آٹھواں سمینار تھا، موضوع مختصر لیکن نہایت جامع یعنی ”حیات وتصانیف“ مقرر ہوا، اس دوروزہ مذاکرۂ علمی میں افتتاحی جلسہ کے علاوہ کل پانچ اجلاس ہوئے، افتتاحی جلسے کے میر مجلس مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر جناب پی، کے عبدالعزیز نے اپنی مفصل گفتگو سے سمینار کا افتتاح کیا اور پروفیسر نجات اللہ صدیقی نے مقالے اور ڈاکٹر عبدالحق انصاری اور مولانا کلیم صدیقی نے اپنی تقریروں سے گویا سمینار کی جہت متعین کردی، پروفیسر ریاض الرحمان خاں شروانی کی خموشی ہی ان کی گفتگو رہی، افتتاحی جلسہ گرمی افکار وگفتار کے لحاظ سے یادگار بن گیا، اس کے بعد مختلف اوقات میں مقالہ خوانی کا عمل جاری رہا، پہلے اجلاس میں پروفیسر عبدالقادر جعفری، مولانا عطاء الرحمان قاسمی، ڈاکٹر محمد عتیق الرحمان، ڈاکٹر محمد اسماعیل، مولانا وصی سلیمان ندوی، مولانا محمد عاشق پھلتی، ساجد علی اور فرحین عذرا کے مقالات تھے، سوانح شاہ ولی اللہ کے فارسی مآخذ، شیخ عبدالرحیم کے سوانح، شیخ محمد عاشق اور شاہ صاحب، ابتدائی تعلیم وتربیت، درسی نصاب، اساتذہ حرمین جیسے موضوعات سے تنوع کا اندازہ ہوتا ہے، اس راقم آثم نے بھی شاہ ولی اللہ کے سوانح وتصانیف پر دارالمصنفین کی خدمات کے زیر عنوان چند باتیں پیش کیں، شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل کے روح رواں پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی نے ”تصانیف شاہ ولی اللہ کے حوالے کتب شاہ میں“ کے عنوان سے اپنے گراں قدر مقالے کے اہم نکات سے اس نشست کو واقعی وقیع بنادیا، دوسرے دن یعنی ۱۵؍ نومبر کو چار اجلاس ہوئے جن میں دوسری نشست شاہ صاحب کی تصانیف کے لیے وقف ہوئی، الفوز الکبیر، فتح الخبیر، تراجم ابواب بخاری، مسوی و مصفی، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف اور فقہی تصانیف کا جائزہ، مطالعہ، مرتبہ اور تجزیہ، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، مولانا محمد جرجیس کریمی، ڈاکٹر احسان اللہ فہد، ڈاکٹر فہیم اختر ندوی، ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی نے پیش کیا، ہر نشستوں میں چند مقالے انگریزی اور عربی زبان میں بھی پیش کیے جاتے رہے، دوسری نشست میں ڈاکٹر عبدالرشید بھٹ، ڈاکٹر تصدق حسین، رضیہ قائم انگریزی مقالہ خواں تھے، رضیہ قائم نے انگریزی زبان میں شاہ صاحب کے متعلق اہم تحریروں اور کتابوں کی تفصیل پیش کی، تیسری نشست میں بھی یہی رنگ غالب تھا، حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ، الخیر الکثیر، البدور البازغہ، الطاف القدس اور سطعات کے موضوع، تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ سے اس

نشست کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، پروفیسر سید احتشام احمد ندوی اور پروفیسر عبدالباری کے علاوہ اس میں ڈاکٹر عامر حیات حسینی، ڈاکٹر عبدالحمید فاضلی، مفتی محمد مشتاق تجاروی اور ڈاکٹر اقبال صابر کے پر مغز اور عالمانہ مقالات نے شاہ شناسی کی نئی راہیں روشن کیں، ڈاکٹر نکہت رشید نے تصوف کے حوالہ سے انگریزی میں مقالہ پیش کیا، چوتھی نشست میں شاہ صاحب کی عربی زبان وادب میں مہارت کا عنوان غالب رہا، اس موضوع پر مولانا محمد طاہر ندوی، ڈاکٹر قاضی عبدالماجد، ڈاکٹر جمشید احمد ندوی نے اپنے مطالعہ وتجزیے کو پیش کیا، پروفیسر عبدالعلی، ڈاکٹر عبدالمجید خاں، زبیر ظفر خاں نے انگریزی میں مقالات کی روایت برقرار رکھی، ذرا سے وقفے کے بعد اختتامی اجلاس کا آغاز ہوا، مندوبین نے اپنے تاثرات اور پروفیسر یاسین مظہر صدیقی اور پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے اپنے جذبات کا اظہار کیا، پروفیسر عبدالقادر جعفری کے الفاظ میں یہ سمینار گذشتہ تمام سمیناروں سے زیادہ کامیاب رہا، ان کی یہ شہادت اس لیے بھی معتبر ہے کہ وہ گذشتہ تمام یا اکثر سمیناروں میں پابندی سے شریک ہوتے رہے، پابندی سے شریک ہونے والوں میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم بھی تھے، ان کی یاد اور ذکر سے پروفیسر یاسین مظہر صدیقی غافل نہیں رہے اور بڑے جذباتی انداز میں مولانا مرحوم کی توجہات اور مشوروں کا ذکر کیا اور اس تاثر میں تو سب متفق تھے کہ شاہ دہلوی کی تعلیمات وتصنیفات سے روشناس کرنے اور افکار شاہ سے تعلق واستفادے میں یہ اور گذشتہ تمام سمینار سنگ میل ثابت ہوئے ہیں، ممتاز ومعروف علما ودانش وراہل قلم کی شرکت کے ساتھ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں نوجوان طلبہ ومحققین کی تعداد بھی خاصی رہی، افکار شاہ کی توسیع و تبلیغ کے پیش نظر نوجوان اہل قلم کی دل چسپی ستائش کے لائق ہے، حق یہ ہے کہ شاہ صاحب جیسی نادرہ روزگار اور عبقری شخصیت کے علوم کا ہمہ گیر مطالعہ، گذشتہ دو سو برسوں میں جتنا کیا گیا، مجموعی طور سے شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل کی دس سالہ کاوشیں اس سے کہیں زیادہ ہیں، کمیت کے اعتبار سے اور کیفیت کے بھی لحاظ سے، دعا ہے کہ شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل، شعبہ علوم اسلامی اور مسلم یونی ورسٹی کی پاک نیتوں کا ثمرہ، شاہ صاحب کے جذبہ احیائے اسلام کے عملی ظہور کی شکل میں سامنے آئے اور ملک وقوم کے لیے باعث برکت ثابت ہو۔

معارف کی ڈاک

کاشانہ ادب، سکٹا دیوراج،
بھوریا، وایا لوریا، بہار
۲۶/۱۱/۲۰۰۸ء

مکتوب بہار

محترمی جناب مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی صاحب، زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کی وفات کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ پروفیسر نذیر احمد صاحب بھی داغ مفارقت دے گئے، ان کی وفات حسرت آیات سے جو صدمہ پہنچا ہے، اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی وفات پر صرف اس لیے غم نہیں کہ وہ فارسی کے ممتاز عالم اور انشا پرداز تھے، ان کی رحلت پر صرف اس لیے افسوس نہیں کہ وہ دنیائے تحقیق کے عدیم المثال محقق اور عظیم دانش ور تھے، ان کی جدائی پر آنکھیں صرف اس لیے اشک بار نہیں کہ انہوں نے لگ بھگ ایک ہزار تحقیقی مضامین لکھ کر دنیائے تحقیق میں ایک مثال قائم کردی ہے، ان کے سانحۂ ارتحال پر اس لیے بھی دلی صدمہ ہے کہ وہ خالص عصری دانش گاہ کے ساختہ وپرداختہ ہوئے بھی، دینی غیرت وحمیت، مواظبت علی الصلاۃ، بلاناغہ تلاوت قرآن حکیم، تدین اور اتباع شریعت میں کسی بھی عالم باعمل سے پیچھے نہیں تھے، ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر کسی روحانی پیشوا کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔

رسوخ فی العلم اور تحقیقی میدان میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہونے کے باوجود، ڈاکٹر صاحب کو علمی برتری کا اظہار کرتے ہوئے اور اپنے علمی وتحقیقی کارناموں پر فخر کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، ڈاکٹر صاحب بڑے ہی بے نفس، مخلص، صاحب ایثار اور پیکر صبر ورضا تھے، ڈاکٹر صاحب جیسا صاحب فضل وکمال روز روز پیدا نہیں ہوتا:

عمرہا باید کہ مرد پختہ کار آید چنیں
در دیار ہند فخر روزگار آید چنیں

ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؒ کی شخصیت سے میں بہت پہلے سے واقف تھا، جون ۱۹۹۲ء میں سخت بیمار ہو کر علاج کے لیے علی گڑھ پہنچا تو ان سے پہلی ملاقات ہوئی، بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور مفید طبی مشورے دیے۔

علی گڑھ میں میرے دو بیٹے زیر تعلیم تھے اور اب تو وہ وہیں کے ہو کر رہ گئے ہیں، اس لیے سال میں ایک آدھ بار ضرور علی گڑھ جاتا ہوں، پچھلے دنوں اگست ۲۰۰۸ء کے پہلے ہفتے میں علی گڑھ پہنچا تو ملاقات کے لیے ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا، ڈاکٹر صاحب اپنے خادم کے ساتھ صحن خانہ میں آرام فرما رہے تھے، مجھے اندر ہی بلا لیا، خیریت معلوم کرنے کے بعد فرمایا:

"بڑا بیٹا ...... کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے"، میں نے عرض کیا،

"چنڈی گڑھ میں ایک جرمن فیکٹری میں ایکزی کیوٹیو انجینیئر ہے، میں وہیں سے یہاں آیا ہوں"، پوچھ پڑے "کچھ ہوا ہے؟"، میں خاموش رہا، وہ سمجھ گئے، کہنے لگے "اعلا تعلیم دلوانے سے کیا فائدہ ہوا؟"۔

دار المصنفین کا ذکر آیا تو حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کی وفات پر گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"مولانا مرحوم، جید الاستعداد، مخلص اور فعال انسان تھے، ان کی وفات سے دار المصنفین کو غیر معمولی نقصان پہنچا ہے"۔

کیا خبر تھی کہ ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؒ سے مذکورہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت کرے اور ان کے جملہ پس ماندگان اور ہم سب عقیدت مندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین!

منظوم تاثرات غم ارسال کر رہا ہوں، تفصیلی مضمون ان شاء اللہ بعد میں بھیجوں گا۔

والسلام، مبتلائے غم

وارث ریاضی

آثار علمیہ وتاریخیہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نام اہل علم کے خطوط (۶)

(۱)

مصطفٰی منزل،
حمایت نگر، حیدر آباد دکن
۴ر فروری ۱۹۵۸ء

میرے معزز کرم فرما۔   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دو کرم نامے اور قوشجی صاحب کا ایک استفسار نامہ میرے سامنے ہیں، اس دوران میں زیادہ تر کوشش اپنے ناچیز مضامین جو اسلامک کلچر میں شائع ہوئے ہیں انہیں جمع کرنے میں رہی، تین مضامین بصد دقت دستیاب ہوئے ہیں وہ روانہ کر رہا ہوں، ساتھ ہی اسلامک کلچر والا مضمون بھی مرسل ہے، قوشجی صاحب نے مہربانی کر کے آیات کی جو فہرست مرتب کی ہے وہ ان کی توجہ، تبحر اور مہربانی کا نتیجہ ہے، میں ان کا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں، حال ہی میں بغیر میری اطلاع یا اجازت کے، اسلامک ریویو، ووکنگ کے اڈیٹر صاحب نے میری کتاب کا پہلا باب جو قرآن مجید کے متعلق تھا، اپنے رسالے کے اگست و ستمبر ۱۹۵۷ء کے نمبروں میں از سر نو شائع کر دیا ہے اور نہایت مہربانی سے سورتوں اور آیتوں کے حوالوں ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پوری پوری آیتوں کا ترجمہ بھی دے دیا ہے، میں نے لکھا کہ آپ مجھ سے دریافت تو کر لیتے تو معافی کا خواستگاری نامہ آ گیا، میرے نزدیک ان رسالوں سے مسئلہ بہت صاف ہو جائے گا، اس پر بھی اگر غلطیاں ہیں تو آپ اور قوشجی صاحب اس باب کو بلکہ اس کتاب کو اپنی سمجھ کر، اسے نہایت شوق سے Edit کر سکتے ہیں، آج کل گولکنڈے کی تاریخ سے میں نے اپنے آپ کو ایسا گھیر لیا ہے کہ باید و شاید آپ کے یہاں یعنی پیرس میں تو ناشر بھی مل جاتے ہیں، یہاں تو گولکنڈے یا کتاب کی تاریخ چھاپنا کیا، پڑھنے والا بھی نہیں، خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ کا مصداق ہے، میری کتاب میں جو بھی بات تصحیح کے قابل ہے وہ ضرور کر دیجیے، مجھے ذرا بھی ملال نہ ہوگا بلکہ دل سے دعا نکلے گی، ایک بات

ضرور ہے، جہاں کہیں کا لفظ آیا ہے وہاں Human سمجھا جائے، اس لیے کہ قرآنی حاکم تو خدا اور صرف خدا ہے، میں نے اسلامی حاکمیت پر جو مضمون لکھا ہے اس میں یہ بات صاف کردی ہے، باقی جہاں جہاں ردوبدل کی ضرورت ہے وہ ضرور کردیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور توشجی صاحب کو (پر ایک کو) سو فیصد اجر دے گا، لکھنے والا تھا کہ میرے دل سے دعا نکلے گی، مگر ہماری زبان اس قابل کہاں ہے، میں اس بارے میں توشجی صاحب کو جداگانہ خط نہیں لکھ رہا۔

توشجی صاحب نے لکھا تھا کہ میری کتاب کا آخری باب یعنی سید احمد خاں کے سیاسی عقائد والا باب اس میں سے نکال دیا جائے تو بہتر ہوگا، مگر میں تو اس کو کافی اہم سمجھتا ہوں، حقیقتاً اس لیے کہ اس میں سرسید کے خیالات کے ایک خاص پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، میں نے یہ مضمون کافی محنت سے بھی لکھا تھا، رینو کی کتاب کے متعلق کیا کہوں؟ ناشر صاحب نے پورے ڈھائی برس سے میرے خطوط، تار اور رجسٹریوں کا جواب دینا گوارا نہیں کیا اور آپ کو حیرت ہوگی، خاص طور پر اس کتاب کو قعر گمنامی سے نکالنے کے لیے مجھے لاہور جانا پڑا، وہاں دیکھا تو کتاب تیار ہے مگر نہ معلوم (آج بھی نہیں معلوم) یہ پردۂ خفا سے کیوں نہیں نکل رہی، نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اپنے "حصے" کے بہ قدر کتابیں لے لیں اور باقی ناشر صاحب کے حوالہ کردیں، مگر کراچی سے یہاں کیسے پہنچیں؟ چنانچہ پورا کا پورا پلندہ اپنے داماد کے سپرد کر آیا، میں نے انہیں لکھ دیا کہ کتاب کا ایک نسخہ آپ کے پاس بھیج دیں مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس پتے سے روانہ کریں گے، لاہور میں وہ Oriental, 8, Mcload Road Lahore. پر مل جانی چاہیے مگر آپ تکلیف نہ کریں، میں کراچی سے ایک نسخہ آپ کو بھیج دوں گا بشرطیکہ آپ کا پتہ (ایک مہینے کے اندر) معلوم ہوجائے، Oriental کے مالک میر اشرف ڈار کے متعلق آپ کے اور توشجی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنا فرم شیخ محمد اشرف کے ہاتھ فروخت کردیا، مجھے اس کا علم نہیں، اگر ایسا ہوا تو کتابیں سب کی سب اشرف صاحب کے پاس پہنچ گئی ہوں گی، مگر ان میں میرا کوئی حصہ نہیں باقی رہا، اشرف ڈار صاحب نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ کتاب کے نسخے ریویو کے لیے یوروپی اور امریکی رسالوں میں بھیج دیں، مگر کم سے کم ان رسالوں میں تو نہیں بھیجے جن کے مدیروں سے میری ملاقات ہے، بہرحال میں اپنے داماد کو کراچی لکھ رہا ہوں کہ آپ کے

پاس اور توشجی صاحب کے پاس ایک ایک نسخہ رینو کے ترجمے کا بھیج دیں۔

آپ نے ناربون کی مسجد کے کھنڈروں اور گرجا کے کوفی کتبے کے متعلق جو کچھ لکھ دیا اس سے اسلامی فرانس کا نقشہ ازسرنو آنکھوں کے سامنے آگیا اور پھر بلاط الشہد Fosse Du Roil کے باقیات سوئستان کے متعلق "کچھ چیزیں" اور یہ سب بالفعل آپ کے ذہن میں مقید!! آخر اس قید وبند سے ان بیچاری معلومات کو کب رہائی ملے گی؟ میں تو ایک ایک گھڑی گنوں گا۔

آپ نے نسخ حروف کے تلفظ کے تنوع کے متعلق جو لکھا ہے اس سے کیسے گریز کرسکتا ہوں رومنی حروف کی بھی تو یہی گت بنی ہے، ش کے لیے کہیں Sh، کہیں Ch، کہیں Sch، کہیں Sci ہے اور D کا تلفظ کہیں ڈ کا ہے تو کہیں دکا کہیں دونوں میں بین بین، یہ تو رسم خط کی خوبی ہے کہ اتنا بست وکشاد ممکن ہے۔

والسلام۔ ہارون خاں شروانی

(۲)

ہمدرد اسلامیکس، ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن،
پاکستان، ناظم آباد، کراچی ۱۸، پاکستان
۹ر نومبر ۱۹۸۱ء

مکرمی ومخدومی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۲۸ر ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ موصول ہوا، عزت افزائی کے لیے شکرگزار ہوں، خط مسند میں سرور عالم کا نامہ مبارک شائع ہوکر انشاء اللہ علمی دنیا کے لیے ایک نادر تحفہ ثابت ہوگا، جزاکم اللہ خیراً جزیلاً، جب بھی آنجناب کو فرصت ہوا حابیش نامی قبیلہ پر ایک سیر حاصل مقالہ ہمارے مجلّہ کے لیے عنایت فرمائیں، اگر ممکن ہو اور کوئی خاص علمی دشواری درپیش نہ ہو تو از راہ کرم کوالالمپور سے واپس پیرس جاتے ہوئے اگر چند گھنٹے کے لیے کراچی میں قیام فرمائیں تو آپ کی ملاقات سے یقیناً بے حد خوشی حاصل ہوگی اور مختلف امور پر تبادلہ خیال کا موقع بھی ملے گا۔

امید ہے آپ ہر طرح مع الخیر ہوں گے۔

والسلام خیر ختام
حکیم محمد سعید

(۳)

دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی،
اعظم گڈھ
۱۶/اپریل ۱۹۸۳ء

جناب حضرت ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا، اپریل کے معارف میں یہ شائع ہو رہا ہے، آپ کے اس احتساب کے ہم سب ہی لوگ شکر گزار ہیں، آپ معارف کو جس ذوق وشوق اور دقت نظر سے پڑھتے ہیں اس پر ہم لوگ فخر کرتے ہیں اور معارف کی کتابت وطباعت کراتے وقت یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں ایسی غلطی نہ ہو جائے جس پر آپ کی نظر پڑ جائے تو آپ کے سامنے ہم لوگوں کو جواب دہ ہونا پڑے، تعجب ہے کہ سیرت النبیؐ جلد ہفتم اب تک آپ کی خدمت میں نہیں پہنچی، وہ ارسال خدمت ہے، اس کے بل کی ادائیگی کی فکر نہ کریں، آپ اس کا مطالعہ کرلیں گے تو یہی اس کی قیمت ہوگی، خطبات بہاول پور برابر مطالعہ میں ہے اور اس سے بڑی روشنی مل رہی ہے، میری درخواست ہے کہ اسلام اور مستشرقین پر آپ کا بھی ایک مضمون شائع ہو، آپ کا خط آتا ہے تو میں اسے شوق سے پڑھتا ہوں اور اسے اپنی عزت افزائی سمجھتا ہوں۔

خدا کرے مزاج گرامی ہر طرح مع الخیر ہو۔

والسلام
احقر
سید صباح الدین عبدالرحمان

(۴)

دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی،
اعظم گڈھ
۳۱/مارچ ۱۹۸۸ء

مکرمی ومحترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ نے سرفراز فرمایا، بڑی تسکین واطمینان ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر وصحت

میں برکت عطا فرمائے، معارف کے لیے مضمون کا وعدہ فرمانے سے بھی بڑی مسرت ہوئی، اس وقت دارالمصنفین اور معارف کو آپ جیسے مخلص کرم فرماؤں کی ہمدردی وتعاون کی خاص ضرورت ہے، آپ ہی لوگوں کے مضمون سے معارف کا وقار ومعیار قائم رہ سکتا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا پچھلا اور آئندہ جو خط بھی آئے، اسے معارف میں شائع کر دیا جائے۔

یکم مارچ کے گرامی نامہ میں آپ نے ”اشاعت“ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کی وجہ سے ہمت نہیں پڑ رہی ہے، اس لیے اجازت طلب کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج گرامی ہر طرح بخیر ہوگا۔

والسلام مع الاکرام
ناچیز- ضیاء الدین اصلاحی

(۵)

پاکستان اکیڈمی آف سائنسز
اسلام آباد، پاکستان
۱۴/ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ

برادر گرامی قدر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پاریس پہنچنے کے بعد لکھا ہوا ابھی ملا جس کے لیے بہت ممنون ہوں، جامعہ عثمانیہ کی برادری کے لیے یہ امر ہر طرح باعث طمانیت ہے کہ نہ صرف عوام الناس بلکہ ارباب مقتدر بھی آپ کو بسروچشم خوش آمدید کہتے ہیں اور آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر صحت وعافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔

آپ کی تحریروں کو پڑھ کر اور تقریروں کو سن کر یہ بیت زبان پر جاری ہوجاتی ہے کہ:

”اللہ کرے زور قلم اور زیادہ　　تا مدح کریں آپ کی ہم اور زیادہ“

جس وقت آپ اور ہم دونوں جامعہ عثمانیہ میں تھے، ہم نے اسی وقت پہچان لیا تھا کہ کارکنان قضا وقدر آپ سے بڑا عظیم الشان کام لینے والے ہیں، اللہ آپ کو اچھا رکھے۔

والسلام مع الاکرام
مخلص، رضی الدین صدیقی

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ اولیائے گجرات (ترجمہ مرأۃ احمدی)

مبصر: ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

مصنف علی محمد خاں، مترجم مولوی ابوظفر ندوی، اشاعت: بار سوم، مارچ ۲۰۰۱ء، صفحات: ۲۶۶، ناشر: گجرات اردو ساہتیہ اکیڈمی، تیسری منزل، اولڈ اسمبلی بھون، نزد ٹاؤن ہال، سکٹر نمبر ۱۷، گاندھی نگر، ۳۸۲۰۱۷، (گجرات)۔

گجرات اردو ساہتیہ اکیڈمی، تاریخ گجرات پر اب تک مختلف مصنفین کی کئی کتابیں شائع کرچکی ہے، من جملہ ان کے مولوی ابوظفر ندوی کی تصنیف "تاریخ گجرات" (جلد اول) ہے جس کا ذکر انہوں نے زیر تبصرہ کتاب کے دیباچہ میں کیا ہے، فہرست میں ایک اور کتاب "آئینۂ گجرات" کا نام ہے جو تاریخ "مرأۃ احمدی" کا اردو ترجمہ ہے، یہ کتاب بھی نہیں مل سکی، گجرات کی تاریخ مختلف مورخین نے رقم کی ہے، "تاریخ فیروز شاہی" اور "تاریخ فرشتہ" میں گجرات کا بالتفصیل بیان ہے، تاریخ گجرات پر گجراتی مصنفین کی کتابیں بھی موجود ہیں جن میں چار کتابیں اہم ہیں: (۱) مرأۃ احمدی (فارسی) مصنفہ علی محمد خاں، (۲) مرأۃ سکندری (فارسی) مصنفہ شیخ سکندر بن محمد المعروف بہ منجھو بن اکبر، (۳) تاریخ گجرات (فارسی) مصنفہ شاہ ابوتراب ولی، (۴) تاریخ ظفر والہ بن مظفر والہ (عربی) مصنفہ حاجی دبیر، ان میں سے دو کتابوں کا مکمل ترجمہ "گجرات اردو ساہتیہ اکیڈمی" کی طرف سے شائع ہوچکا ہے، مرأۃ سکندری از شیخ سکندر جس کا ترجمہ پروفیسر مرتاض حسین قریشی مرحوم نے کیا ہے، تاریخ گجرات از شاہ ابوتراب ولی جس کا ترجمہ پروفیسر شبیہ احمد مرحوم نے کیا ہے، اس کا پہلا اڈیشن آزادی سے قبل الہ آباد سے شائع ہوا تھا، تاریخ ظفر والہ بن مظفر والہ (عربی) کی اشاعت یا اس کا ترجمہ ابھی تک نہیں ہوا۔

زیر نظر "تاریخ اولیائے گجرات" علی محمد خاں کی تصنیف "مرأۃ احمدی" (فارسی) کے آخری حصہ کا اردو ترجمہ ہے جسے تیسری بار گجرات اردو ساہتیہ اکیڈمی نے شائع کیا ہے، متن کتاب کے ترجمہ سے پہلے تین عنوانات "پیش لفظ"، "تمہید" اور "دیباچہ" ہیں لیکن یہ تینوں ہی عنوانات مصنف، مترجم اور اس کے زمانۂ تصنیف کے بارے میں کوئی معلومات دینے سے قاصر ہیں، مترجم نے اپنے "دیباچہ" میں

بی-۱۰۴، بدر منزل، پٹیل نگر، وی پی ناکہ، بھیونڈی (تھانے) ۴۲۱۳۰۲۔

صرف دو نسخوں (نسخۂ بمبئی مطبوعہ ۱۳۰۷ھ) اور (نسخۂ کلکتہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء) کا نام لیا ہے جو ان کے اس ترجمہ کی بنیاد ہیں لیکن انہوں نے مرأۃ احمدی کے مصنف کے نام تک کا ذکر نہیں کیا، یہ کسی تحقیق، تصنیف، تالیف یا ترجمہ کا زبردست عیب ہے۔

گجرات اور اولیائے کرام لازم و ملزوم سمجھے جاتے ہیں، پورے صوبۂ گجرات میں قدم قدم پر مزارات اور درگاہیں پائی جاتی ہیں، افسوس کہ اصل جگہ یعنی مساجد وہ مصلیوں سے خالی ہیں، صوفیوں کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور اتحاد بین المذاہب کا بڑا شہرہ ہے لیکن گجرات میں مسلمانوں کی آبادی کا قلیل تناسب اور مسلم کش فسادات، اس ادعا کی نفی کرتے ہیں اور یہی حال پورے ہندوستان کا ہے۔

اصل کتاب مرأۃ احمدی (فارسی) میں قدیم اصول تصنیف کی پیروی کرتے ہوئے مصنف نے ابواب و فصول کا التزام نہیں کیا تھا لیکن مترجم نے ابواب و فصول قائم کرکے کتاب کی وقعت اور سہولت بڑھا دی ہے، فاضل مترجم نے تلک عشرۃ کاملۃ پر عمل کرتے ہوئے اس کتاب میں دس ابواب قائم کیے ہیں، یعنی یہ گجرات اور خصوصاً احمد آباد کی نہ صرف تاریخ ہے بلکہ صوبہ کے مذاہب، طرز معاشرت، تہذیب، تجارت اور لین دین، پیداوار، انتظامیہ، عدلیہ اور گجرات کا طبعی و سیاسی جغرافیہ بھی ہے۔

مترجم نے پہلے باب کی چھ فصول میں احمد آباد شہر کی بنیادوں کی تفصیل، بارہ دروازوں کے نام، چکلوں اور بازاروں کے نام، مساجد، شہر کے محلوں اور باغات کا بالتفصیل ذکر کیا ہے، شہر احمد آباد کی بنیاد تو احمد شاہ بن محمد شاہ بن مظفر شاہ نے ڈالی تھی جن کا مزار جامع مسجد کے باب مشرق سے چند گز کے فاصلہ پر ہے لیکن شہر کا نام احمد آباد "احمد" نام کے چار بزرگوں کے نام پر رکھا گیا ہے: (۱) شیخ احمد کھٹو عرف خواجہ گنج بخش جن کا مزار دریائے سابرمتی کی دوسری جانب قصبہ سرخیز میں ہے جو اب شہر کا ایک محلہ بن چکا ہے، (۲) احمد شاہ بن محمد شاہ، (۳) ملک احمد، جو کالو پور دروازہ کے باہر پٹھان واڑی کے سامنے آرام فرما ہیں، (۴) قاضی احمد، خلیفہ حضرت شیخ احمد جن کا مزار نہر والہ پٹن میں ہے۔

باب دوم مزارات پر مشتمل ہے اور باب سوم میں اولیاء اور سادات کے دس سلسلے ہیں، یعنی سادات بخاری، سادات قادریہ، سادات شیرازی، سادات رفاعیہ، سادات عیدروسیہ، سادات عریضی، سادات نوربخشیہ (مہدویہ) وغیرہ اور فصل ہفتم میں بزرگان سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ شیخ علی متقی کلاں کا بیان فصل ہشتم میں ہے، فصل نہم میں نہر والہ پٹن کے بزرگوں کا بیان ہے، معلوم رہے کہ نہر والہ یا پٹن کا قدیم نام انہلواڑہ تھا جو گجرات کے ہندو مہاراجوں کا پایہ تخت تھا، محمود غزنوی کے حملۂ سومنات کے زمانہ میں یہاں

کا مہاراجہ بھیم دیوتھا، اس فصل میں شیخ معزالدین سلیمان شہید، مولانا یعقوب، مخدوم عالم، سید احمد مخدوم، شیخ الحدیث مولانا محمد طاہر فتنی، قطب عالم اور قاضی احمد (یکے از بانیان احمد آباد) کے حالات ہیں۔

اسی باب میں بیر پور میں مدفون قاضی محمود دریائی اور نرباد کے بزرگوں کا حال ہے، دھولکا، منگلور، بھڑیاد، اونہ (ویلواڑہ) وڈھ واں اور بندر کھمبات کے بے شمار اولیا میں سے صرف تین اور بھڑوچ کے بزرگوں کا مختصر بیان ہے۔

مترجم نے کتاب کے باب چہارم میں احمد آباد کے باشندوں کا مفصل ذکر کیا ہے، فصل اول میں بوہرہ قوم کے بارے میں مصنف نے لکھا تھا کہ اصلاً یہ لوگ گجراتی ہیں لیکن مترجم نے حاشیہ میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ان میں سے بعض مصر اور بعض یمن کے علاوہ مکہ، مدینہ اور طائف سے بھی آکر آباد ہوئے البتہ کثیر تعداد گجراتیوں کی ہے'' (ص ۱۴۱، حاشیہ ۱) راجہ کھمبات کے ایمان لانے کے ذیل میں حاشیہ نمبر ۵ میں مترجم نے لکھا ہے کہ ''موجودہ سیدنا محمد طاہر سیف الدین راجہ کھمبات کے وزیر تارمل کے خاندان سے ہیں (ص ۱۴۱)'' یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ مرحوم سیدنا طاہر سیف الدین (سابق چانسلر مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) مصری فاطمیوں کے خاندان سے تھے جن کی خلافت کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے ختم کردیا تھا، داؤدی بوہروں کے موجودہ داعی المطلق سیدنا برہان الدین انہیں کے صاحبزادے ہیں، مصنف نے شیعوں میں اثنا عشری کو چھوڑ کر سات فرقے گنوائے ہیں، مترجم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے ص ۱۴۳ کے حاشیہ نمبر ا میں شیعان علیؓ کا پورا شجرہ نقل کیا ہے، مبصر کے نزدیک یہ شجرہ بھی التباس واختلاف سے خالی نہیں ہے کیونکہ ان کا ایک فرقہ زیدیہ ہے جو صرف چھ اماموں کو مانتا ہے اور تبرا کا قائل نہیں ہے، یہ فرقہ صاحبینؓ کے مقابلہ میں صرف حضرت علیؓ کی فضیلت کا قائل ہے ورنہ دیگر عقائد میں یہ سنیوں کا ہم مسلک ہے، قاضی محمد علی شوکانی اسی گروہ کے ایک عالم تھے جن کی ''نیل الاوطار فی شرح منتقی الاخبار'' اور ''تفسیر فتح القدیر'' سنیوں میں معروف ومقبول ہے، مترجم نے اس شجرہ میں مہدویوں کو شیعوں کی ایک شاخ بتایا ہے جب کہ یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ فرقہ مہدویہ کی نسبت سید محمد جون پوری کی طرف ہے جو سنی مسلمان تھے، ایسے ہی مصنف نے بوہروں کی تقویم کو ہندوؤں کی تقویم پر مبنی قرار دیا ہے جب کہ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بوہرے مصری تقویم پر عمل کرتے ہیں، اسی لیے ان کا قمری مہینہ دو دن پہلے شروع ہوجاتا ہے جبکہ اثنا عشری اپنی مقامی رویت کا اعتبار کرتے ہیں، بوہروں کے مصری تقویم پر عمل کرنے کا سبب یہ ہے کہ مصر

میں ان کی خلافت تھی اور امامت اور خلافت کا تسلسل ان کے عقیدہ کا جز ہے، سقوط خلافت فاطمیہ کے بعد بھی ان کے عقیدہ کے بموجب داعیوں کا تسلسل جاری ہے جو امامت کا قائم مقام ہے، اہل سنت کے یہاں بھی خلافت کو امامت کبریٰ کہا گیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسائل اور فتاویٰ میں اور مولانا ابو الکلام آزاد نے ''مسئلہ خلافت'' میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے بلکہ علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ اور ابن کثیرؒ تو انسان کو اللہ کا خلیفہ تسلیم کرنے کے بھی منکر ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں اس سے اہل تشیع کے عقیدۂ امامت کی تائید ہوتی ہے، وہ خلیفہ کا ترجمہ بجائے ''نائب'' کے ''جانشین'' کرتے ہیں۔

اس باب کی دوسری فصل میں مصنف نے ہندو مذہب کی سات ذاتوں اور ان کی مختلف رسوم کا ذکر کیا ہے، مترجم نے یہاں حاشیہ میں آریہ سماج اور سوامی دیانند سرسوتی مصنف ''ستیارتھ پرکاش'' کی اصلاحی کوششوں کا ذکر فرمایا ہے، تیسری فصل میں برہمنوں کی ۸۴ ذاتوں کے علاوہ مزید بیس ذاتوں کی تفصیل ہے، چوتھی فصل میں جینیوں کے میسری اور سراوک گروپوں میں سے دونوں کی ۸۴، ۸۴ ذاتوں کی تفصیل ہے، ہندوؤں اور جینیوں کی ان کثیر التعداد ذاتوں کی تفصیلات اکٹھا کرنے میں مصنف کو یقیناً بڑی دشواریوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا لیکن اس سلسلہ میں جو بات انتہائی قابل افسوس ہے وہ یہ ہے کہ یہ وہ قومیں ہیں جن کے ایک جگہ جمع ہونے کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے، جب کہ مسلمان اتنی ذاتوں میں بٹے ہوئے نہیں ہیں اور ان کے پاس ایک کلمہ جامعہ بھی ہے لیکن ان کا ہر گروہ ایک دوسرے کا جانی دشمن ہے جب کہ دیگر قومیں الکفر ملة واحدة کی سنت الٰہی کے بموجب مسلمانوں کی عداوت اور دشمنی میں ایک ہیں، فاعتبروا یاأولي الأبصار۔

کتاب کے پانچویں باب میں صوبہ کے انیس مندروں اور تیرتھ استھانوں کا تذکرہ ہے، جس میں سومناتھ اور دوارکا، بالترتیب اول اور دوم نمبر پر ہیں، اسی باب میں احمد آباد شہر کے ۲۶ بڑے مندروں کا بیان ہے، واضح رہے کہ مسلمانوں کی حکومت اور اسلامی تاریخ کی کتاب ہونے کے باوجود کتاب کے باب اول میں احمد آباد شہر کی مسجدوں کا کوئی مفصل بیان نہیں ہے، مجمل طور سے فقط اتنی بات لکھی ہے کہ مسلمان بادشاہ مسجدیں بنایا کرتے تھے، حالانکہ احمد آباد میں بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ جن کا ذکر نہ کرنا اس شہر کی تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے، واضح رہے کہ ابوتراب ولی کی تاریخ گجرات کے مقدمہ میں ڈاکٹر شبیہ احمد نے احمد آباد کی مساجد اور خصوصاً وہاں کی جامع مسجد کا بڑے پر تحسین انداز میں ذکر کیا ہے، اس میں پٹن کی خوب صورت سنگ مرمر سے بنی ہوئی مسجد کی بھی تفصیل ہے جو اب مسمار ہوچکی ہے، مرأۃ احمدی کے مصنف علی محمد خاں نے دوسری جگہوں کی مساجد کا ذکر فرمایا ہے، مبصر کا ناچیز تاثر یہ ہے کہ مترجم کو مساجد کے تذکرہ کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے

تھا کیونکہ یہاں کی مساجد اپنے طرز تعمیر اور پتھروں پر گل بوٹوں کے نقش و نگار اور مینار لرزاں کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہیں اور چوتھی فصل میں کنڈ اور تالابوں اور پانچویں فصل میں سرد و گرم چشموں کا بیان ہے، چھٹی فصل میں خصوصیت کے ساتھ گجرات کے جینیوں کا ذکر کیا گیا ہے، کتاب کے چھٹے باب کی اولین دو فصلوں میں دور سلاطین کے ناپ تول، اجناس خوردنی اور دواؤں کے اوزان نیز بزازوں اور جوہریوں کی اصطلاحات کا مفصل تذکرہ ہے، تیسری فصل میں بعض متفرق اصطلاحات کا تعارف کرایا گیا ہے، عصری دور کے مقادیر و اوزان سے تقابل نہ ہونے کی بنا پر اس کی حیثیت صرف آثار الصنادید کی ہو کر رہ گئی ہے۔

باب ہفتم میں محکمہ نظامات کا بیان ہے، جس کی فصل اول میں تھانوں کے نظام کی تفصیل کے بعد شہر احمد آباد کے تمام تھانوں کا محل وقوع اور ان کا حیطۂ عمل (jurisdiction) بتایا گیا ہے، جن کی مجموعی تعداد ۲۸ ہے، دوسری فصل میں عدالت دیوانی اور اس کے عملہ کی تفصیلات ہیں، اس کو موجودہ دور کی عدالت زیریں اور ضلعی عدالت کے مماثل سمجھا جاسکتا ہے، تیسری فصل میں عدالت عالیہ کا بیان ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں نظام قضا اسلامی اصولوں پر قائم تھا، وکیل شرعی، محکمہ احتساب اور وقائع نگار مقرر تھے، مصنف نے ان سبھوں کی تنخواہوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے، چوتھی فصل میں احمد آباد سے دہلی بھیجی جانے والے میووں (مراد پھل ہے) کی ڈاک (مراد ترسیل ہے) کے قانون کا ذکر ہے، تا کہ تاخیر کی وجہ سے یہ پھل سڑ نہ جائیں، آج کے زمانہ میں بھی پھلوں کو perishable item مانا جاتا ہے اور محکمہ ریلوے ان کو سرعت کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے، پانچویں فصل میں فوج کے جانوروں (شاید گھوڑے مراد ہوں گے) کو نشان زد کرنے اور توپ خانہ کے انچارج (Head of the garrison) کا بیان ہے، چھٹی فصل میں خزانہ (Treasury) اور ٹکسال (Mint) کی تفصیلات کے علاوہ محاصل اور ان کے عملہ کا ذکر ہے، چنگی (Octroi) کے محکمہ اور اس کے ناکوں (toil posts) کی تفصیات ہیں، ساتویں فصل میں مزید محکمہ جات اور لنگر خانہ نیز دار الشفا (اسپتالوں) کے علاوہ غربا کی امداد کے لیے قائم محکمہ جات کا ذکر ہے، ان تمام محکموں میں کام کرنے والے عملہ کی تنخواہوں کی پوری تفصیل ہے۔

کتاب کے باب ہشتم کی پہلی فصل میں احمد آباد ضلع کے پرگنوں (تحصیلوں) کا بیان ہے، اس سلسلہ میں یہ بات سامنے آئی کہ پرگنہ تھانہ آنتر سمہ کا خراج تو سلطان کو آتا تھا لیکن لکھا ہے کہ وہاں کے لوگ برائے نام ہی مسلمان ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر سلطان اور اس کا محکمہ شرعیہ کیا کرتا تھا؟ مصنف کے بیان کے مطابق اس وقت احمد آباد ضلع میں سترہ پرگنے تھے (ان میں سے اکثر کو آج ضلع کی حیثیت

حاصل ہے) اور نویں باب میں بندرگاہوں اور جزائر کی تفصیل ہے، جن کی تعداد ۴۲ ہے، اس کے علاوہ اسی باب میں سات جزائر کے ساتھ گجرات کے ۲۶ دریاؤں اور قدیم ضلعوں اور گجرات کے دس پہاڑوں کا ذکر ہے، دسویں باب میں گجرات کی چند نادر کتابوں کے ذکر پر اس کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ اولیائے گجرات میں صرف اولیائے کرام ہی کا بیان نہیں ہے بلکہ اس زمانے کے گجرات کی مکمل تاریخ، جغرافیہ، رعیت (عوام)، عدالت اور انتظامیہ وغیرہ تمام شعبوں کا بیان ہے، اگر مناسب طریقہ سے ایڈٹ کیا جاتا تو یہ کتاب بہت زیادہ مفید ثابت ہو سکتی تھی، مبصر کے نزدیک کتاب کی چند خامیاں درج ذیل ہیں:

(۱) مرأۃ احمدی کے مصنف علی محمد خاں کا کوئی تعارف نہیں ہے بلکہ پوری کتاب میں ان کا نام ہی کہیں نہیں پایا جاتا، صرف پیش لفظ میں ڈاکٹر ہسو یاگنک سکریٹری اردو ساہتیہ اکیڈمی گجرات نے ایک جگہ ان کا نام لیا ہے لیکن یہ نام بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے بجائے علی محمد خاں کے یہ نام محمد علی خاں لکھا ہے، مصنف کے تعارف اور کتاب کے زمانہ تصنیف کا ذکر لازمی تھا تا کہ قاری کو اس عہد کا پورا اندازہ ہوتا، (۲) سنین ہجری اور عیسوی کی تطبیق موجودہ دور کی ایک اہم ضرورت ہے، تاریخ کی پرانی کتابوں کے مرتبین کو اس طرف خاص توجہ دینی چاہیے، خوش قسمتی سے ڈاکٹر ابو النصر خالدی مرحوم اور ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی مرحوم نے سنین ہجری و عیسوی کی تطبیق پر ایک تین ہزار سالہ چارٹ کی شکل میں یہ ضرورت پوری کر دی جس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، یہ چارٹ ترقی اردو نے شائع کیا ہے، پروفیسر شبیہ احمد مرحوم نے شاہ ابوتراب ولی کی کتاب تاریخ گجرات کے ترجمہ میں اس کا اہتمام کیا ہے، (۳) نقود، اوزان اور مقادیر پر آج کے نقود، اوزان اور مقادیر سے موازنہ بھی تقریب فہم کے لیے ضروری ہے، اس سے اس زمانہ کے تبادلۂ اشیا کے قانون کے علاوہ موجودہ دور کی گرانی اور افراط زر (inflation) کا اندازہ ہوتا لیکن دور وسطی اور قدیم زمانہ میں ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کا معاملہ تھا، اس لیے معیارات کی یہ تبدیلی محققین کے لیے ایک مستقل موضوع کی حیثیت رکھتی ہے، (۴) ایک ندوی فاضل ہونے کی حیثیت سے مترجم کتاب سے زیادہ اچھے ترجمہ کی توقع تھی جو بدقسمتی سے پوری نہیں ہوئی ہے، ترجمہ گنجلک ہے اور اس کی زبان بھی شگفتہ اور رواں نہیں ہے۔

قدیم کتابوں یا مخطوطات کی اشاعت ایک علمی کام ہے لیکن اسے صرف حصول برکت کی خاطر انجام دینا وقت اور محنت کے ساتھ انصاف نہیں ہے، ان خامیوں کے باوجود یہ کتاب گجرات اور اردو زبان کے علمی خزانہ میں ایک اضافہ ہے۔

ادبیات

رفت در جنت نذیر نیک دل، روشن صفات

(پروفیسر نذیر احمد کی وفات حسرت آیات سے متاثر ہوکر)

جناب وارث ریاضی

موت اک روشن حقیقت، چند لمحوں کی حیات　　جز خدائے لَمْ یَزَلْ، فانی ہے ساری کائنات
زندگی انساں کی؟ سطحِ آب پر جیسے حباب　　موج دریا میں بس اک چھن کے لیے اس کی حیات
پھول کی پتی سے نازک آدمی کی زندگی　　مرکب گل پر رواں ہے آرزوؤں کی برات
زندگی سے محفلِ ہستی فروزاں ہے، مگر　　تا بہ کے طوفانِ غم میں ضوفشاں شمعِ حیات
موت کے پنجے سے بچ سکتا نہیں کوئی بشر　　کوئی بچہ ہو، جواں ہو یا کسی بوڑھے کی ذات
گھات میں رہتی ہے یہ ہردم درندے کی طرح　　ساری دنیا پر عیاں ہے اس کی بے رحمی کی بات
محو غم اہل نظر، اربابِ دانش سوگوار　　بجھ گئی ہے کیا نذیر احمد کی قندیل حیات؟
اے امام آگہی، اے مرجع فکر و نظر　　علم و حکمت کے چمن میں مغتنم تھی تیری ذات
تاج دارِ کشور تحقیق، فخرِ روزگار　　رہ نمائے علم و دانش، ماہرِ علم اللغات
عمر بھر تو علم و فن کا نور برساتا رہا　　تیرے علم و فضل کے مداح مردانِ ثقات
پیکر صبر و رضا، اے روحِ ایثار و وفا　　قابل صد رشک و صد تحسین تھی تیری حیات
تیری تحریریں ابھی اوراق دانش پر ہیں ثبت　　اور تیری نیکیاں ہیں باقیات الصالحات
ماریہ[1] اور حضرت مختار[2] و اسلوب[3] و ریاض[4]　　باعث رنج والم سب کے لیے تیری وفات
ہے ابھی تک غم ضیا کا تو بھی رخصت ہوگیا　　ہائے شبلی کے دبستاں میں یہ غم کی واردات
ہے ترا وارث ریاضی تیرے غم میں اشک بار　　تجھ کو لیکن رنج دنیا سے ملی یک سر نجات
زیں جہاں در دو ہزار و ہشت از سال مسیح　　رفت در جنت نذیر نیک دل، روشن صفات

۲۰۰۸ء

سکھاڈیوراج، دوایالوریا، مغربی چمپارن بہار۔

۱؎ پروفیسر ماریہ بلقیس صاحبہ۔ ۲؎ پروفیسر مختار الدین احمد۔ ۳؎ پروفیسر اسلوب احمد انصاری۔ ۴؎ پروفیسر ریاض الرحمان خاں شروانی۔

مطبوعات جدیدہ

قرآنی ارشادات، حصہ اول (سورۂ فاتحہ تا سورۂ طہ)، حصہ دوم (سورۃ الانبیاء تا سورۃ الناس): از جناب قاضی محمد انعام الحق، قدرے بڑی تقطیع، بہترین کاغذ اور طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات جلد اول ۵۵۷، جلد دوم ۶۸۳، قیمت: فی جلد ۳۰۰ روپے، مکمل سٹ ۵۰۰ روپے، رعایتی سیل ۴۰۰ روپے، پتہ: عبداللہ فیملی ویلفیر ٹرسٹ، مکان نمبر 10-3012/D، مہدی پٹنم، حیدرآباد ۲۸۔ اے پی۔

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، اس کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے میں بنی نوع انسان کے لیے یکساں مفید اور تنہا راہ نما ہے، ہدایت یابی میں کوئی تخصیص نہیں، ذہنی اور عقلی لحاظ سے بلند سے بلند سطح والوں کی طرح یہ عام انسان کے لیے بھی ہدایت نامہ ہے، ہل من مدکر کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اگر راہ حق کی طلب اور جستجو ہے تو اس خواہش کے حصول میں قرآنی مضامین عام ذہن کے لیے بھی آسان اور سہل الفہم ہیں، اس حقیقت پر جن کا ایمان ہے انہوں نے ہر دور میں قرآن مجید کے کلام اور پیام کو عام کرنے کی کوشش کی ہے، زیر نظر کتاب بھی اسی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کی مبارک سعی ہے، جس میں ہر سورہ کے بنیادی اور مرکزی مضمون یا مضامین کو نہایت جامعیت اور بیان کی سلاست کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، مولف کے پیش نظر خاص طور پر نوجوان اور نئی نسل ہے "جو محدود علمی صلاحیت، وقت کی کمی اور سادہ و سلیس لٹریچر کی عدم دستیابی کی وجہ سے قرآن مجید کے سرچشمہ رشد و ہدایت سے اپنی تشنگی بجھانے سے قاصر ہیں"، موجودہ نسل کو قرآنی پیغام کا حامل ہونے کے لیے ایک جگہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ "اس کتاب کے ذریعہ قومیں عروج کی طرف بڑھیں گی اور اسی کی وجہ سے وہ زوال پذیر ہوں گی" قرآن مجید کے اخذ و ترک کے نتائج کی اس مختصر تعریف کی جامعیت، اظہر من الشمس ہے، اس کتاب کی وجہ تالیف یہی ہے، مولف ایک ریٹائرڈ چیف انجینیئر ہیں، ان کے تعمیری ذوق کا حسن و کمال اس تالیف میں بھی نمایاں ہے، انہوں نے مستند تفسیروں اور خود اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالوں کی مدد سے قرآن مجید کے مضامین کا عطر کشید کیا، احتیاط کو اس درجہ ملحوظ رکھا

ہے کہ فقہی آرا کے تنوع کے پس پردہ مسلکی اختلافات کی ہوا تک نہیں لگنے دی ہے، دونوں جلدوں کی تیاری میں انہوں نے آٹھ سال محنت کی، شروع میں اختصار سے انہوں نے انسانوں کے لیے ضابطۂ حیات، پیغمبروں کے طبقات، نزول وجمع وتدوین ومضامین قرآن کے متعلق بنیادی اور تشفی بخش معلومات بھی پیش کردیے، ان کا انداز تفہیم بھی دل کش ہے، مثلاً سورۃ الفاتحہ میں حمد کے ذیل میں لکھتے ہیں "خدا کے تصور کے بارے میں انسان کی ایک بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ اس کے تصور کو محبت کی جگہ خوف اور دہشت کی چیز بنالیا گیا، اس سورہ کے سب سے پہلے لفظ نے اس گم راہی کو دور کردیا، حمد دراصل ثنائے جمیل (اچھی تعریف) کو کہتے ہیں، ثنائے جمیل اسی کی کی جاسکتی ہے جس میں خوبی وجمال ہو......"، کتاب کے بارے میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہ اہل ذوق کے لیے شوق انگیز ہے۔

تاریخ اسلام، سنین کے آئینے میں: از جناب سید نصیر الدین احمد، متوسط تقطیع، کاغذ وطباعت بہتر، صفحات ۳۰۴، قیمت ۲۵۰ روپے، پتہ: مولانا آزاد ایجوکیشنل سوسائٹی، پالمور، محبوب نگر، اے پی اور مولف کا پتہ: ۲۰۷، سومیا اپارٹمنٹس، ریڈ ہلز، حیدرآباد نمبر ۴۔

چودہ ہجری صدیوں پر مشتمل اسلام کی تاریخ کے اہم واقعات کو ایک جگہ سنین کے اعتبار سے جمع کرنے کا خیال، مرتب وجامع کی بلند ہمتی کی دلیل اور اس نقص کی تکمیل ہے کہ اردو میں تاریخ اسلام کی ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں خلفا اور مسلم حکم رانوں کے دور حکومت اور واقعات کو سن وسال کی تعیین سے پیش کیا گیا ہو، مرتب کو شکوہ ہے کہ دارالمصنفین نے بھی ایسی کوئی کتاب تیار نہیں کی، اردو کی تاریخی کتابوں میں نقشہ جات کا عدم التزام بھی ان کے اس شکوے میں شامل ہے اور یہ کتاب ان کے اسی شکوے کا خود اپنا جواب ہے، اس کے مفید اور کارآمد ہونے میں کیا شبہ ہے، ان کا یہ مقصد بھی مبارک ہے کہ نوجوان نسل کو ملت اسلامیہ کے ماضی سے واقف کیا جائے اور ان کی یہ محنت اور دیدہ ریزی بھی مبارک باد کے لائق ہے کہ انہوں نے ہجری اور عیسوی سنوں کی تطبیق سے ۱ھ سے ۱۴۰۰ھ تک تمام اہم واقعات کو سلیقے اور مستند کتابوں کی مدد سے جمع کیا، جناب حسن الدین احمد کی یہ رائے برحق ہے کہ یہ کتاب ایسا قیمتی تحفہ ہے جس کی پذیرائی ہونی چاہیے۔

ع۔ص